ماہ نامہ

ہمدرد

نونہال

دسمبر ۱۹۸۶ء

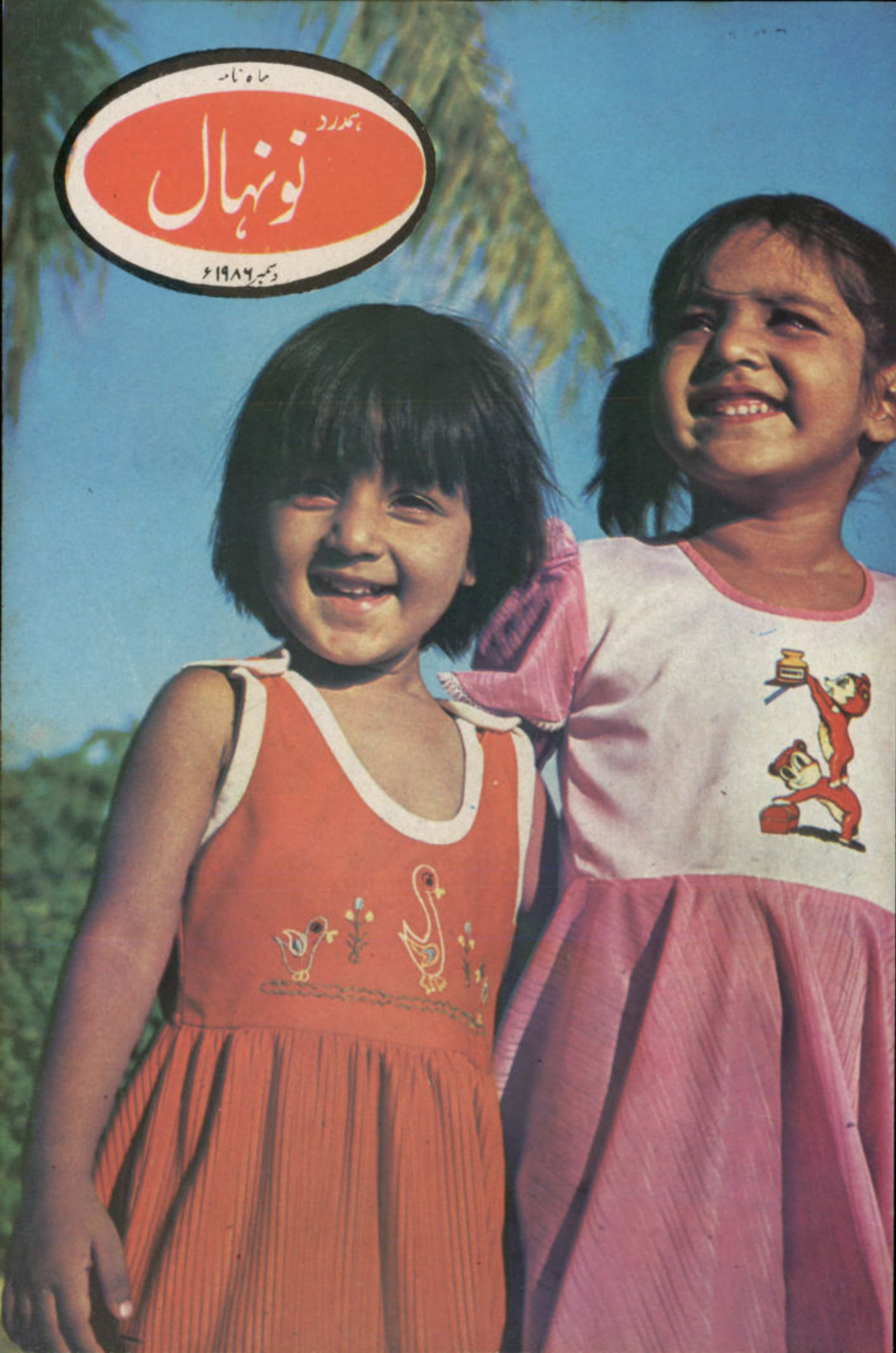

همدرد
پیلو ٹوتھ پیسٹ
ٹوتھ پیسٹوں کی طویل فہرست میں اس نئے نام کا اضافہ کیوں؟
اس لیے کہ صرف اسی میں
پیلو کے معجزانہ خواص شامل ہیں
پیلو، دانتوں کی مکمل صفائی اور مسوڑھوں کی صحت کے لیے مشرق میں صدیوں سے متعارف ہے۔
طویل تحقیق اور مسلسل تجربات کے بعد، اب جدید سائنس نے بھی حفظِ دنداں کے لیے اس کے معجزانہ اثرات کو تسلیم کرلیا ہے۔ چوں کہ کسی دوسرے ٹوتھ پیسٹ میں پیلو شامل نہیں اس لیے پیلو فارمولے کے مطابق ایک نئے ٹوتھ پیسٹ کی ضرورت ناگزیر تھی جو ہمدرد پیلو ٹوتھ پیسٹ نے پوری کردی۔
ہمدرد پیلو ٹوتھ پیسٹ دانتوں کو صاف اور مسوڑھوں کو مضبوط کرتا ہے اور امراضِ دہن سے محفوظ رکھتا ہے۔
صحتِ اسنان - صحتِ انسان
همدرد
پیلو ٹوتھ پیسٹ
فلورائیڈ کے ساتھ
Hamdard
پیلو کے اوصاف مسوڑھے مضبوط، دانت صاف
ہمدرد
ہم خدمتِ خلق کرتے ہیں

UNION INTRODUCES ANOTHER QUALITY PRODUCT

UNION The Biggest name in wholesome taste

Midas Khi

Habib Bank Limited

قائم شدہ ۱۹۴۱

ہم
ان کے
درخشاں
مستقبل
کے خواہاں
ہیں!

حبیب بینک ایک ترقی پسند، متحرک،
جدید بینک ملک کے اندر ۱۸۰۰ سے زیادہ
اور بیرونِ ملک ۶۸ شاخوں، ۱۶۰۰ سے
زیادہ غیر ملکی نمائندوں، کمپیوٹر تنصیبات،
نت نئی اسکیموں اور سہولتوں کے ذریعے ملک
کے مستقبل کے لئے حتی المقدور کوشاں ہے۔
ہماری بچت کی اسکیمیں اور طالب علموں
کا خصوصی شعبہ بچوں اور طالب علموں میں
بچت کی عادت ڈالنے کے لئے ہمہ وقت
سرگرم عمل ہے۔
حبیب بینک ملک کی ترقی و خوشحالی کے لئے
نئی نسل کی سرپرستی کرتا ہے۔

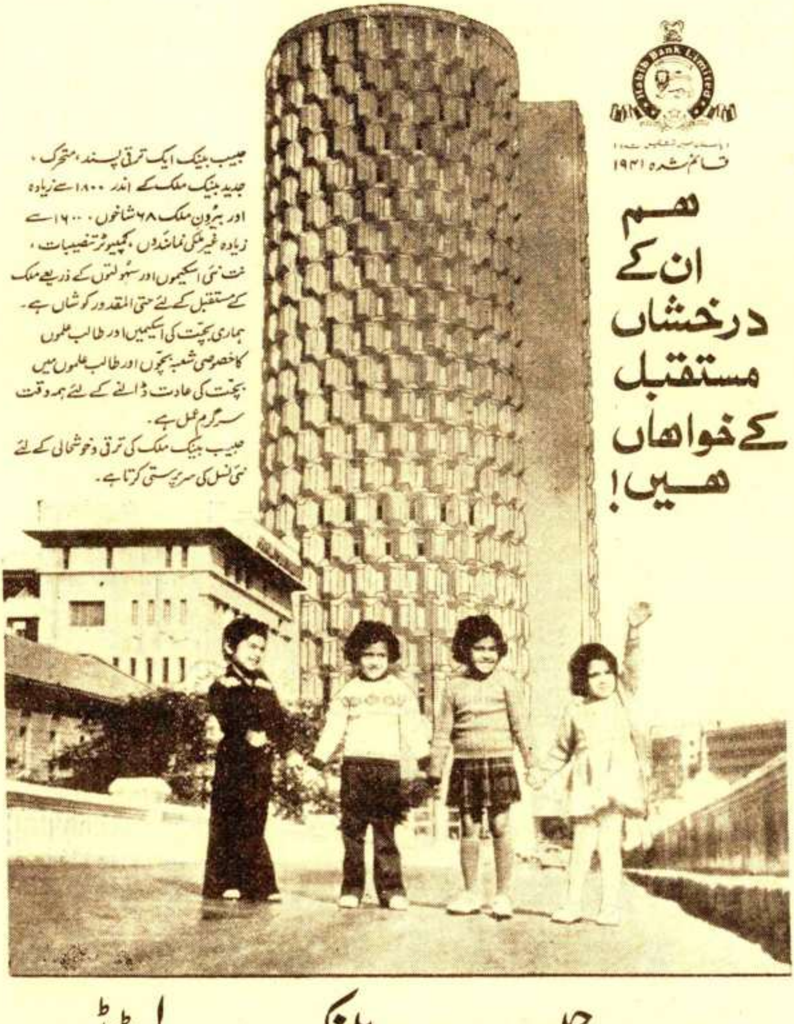

حبیب بینک لمیٹڈ

PID (I) /HBL/80/ 1 U

manhattan International

ٹیلے فون 616001 سے 616005 (پانچ لائنیں)

ہمدرد نونہال

آرگن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی

مجلس ادارت

صدر مجلس — حکیم محمد سعید

مدیر اعلا — مسعود احمد برکاتی

مدیرۂ اعزازی — سعدیہ راشد

ربیع الثانی	۱۴۰۷ ہجری
دسمبر	۱۹۸۶ عیسوی
جلد	۳۴
شمارہ	۱۲

قیمت فی شمارہ ۔۔۔ ۴/۰۰ روپے

سالانہ ۔۔۔ ۴۵/۰۰ روپے

سالانہ (رجسٹری سے) ۔۔۔ ۸۱/۰۰ روپے

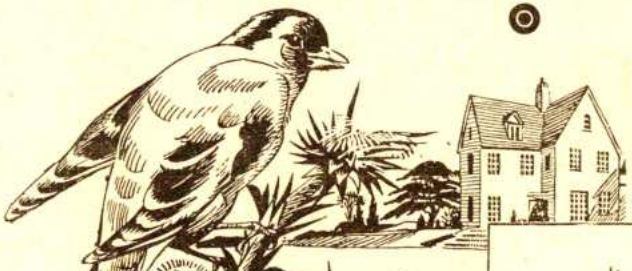

پتا:
ہمدرد نونہال
ہمدرد ڈاک خانہ
ناظم آباد ۳ کراچی ۱۸

ہمدرد فاؤنڈیشن (پاکستان) نے نونہالوں کی تعلیم و تربیت اور صحت و مسرت کے لیے شائع کیا۔

ISSN 0259-3734

اِس رسالے میں کیا ھے

جاگو جگاؤ	جناب حکیم محمد سعید	۵
پہلی بات	مسعود احمد برکاتی	۶
مسکین گاڑیاں	جناب شان الحق حقی	۷
قائداعظم نے فرمایا	ادارہ	۸
قائداعظم ہیں زندہ	جناب قمر ہاشمی	۹
گوں چھوٹا لومڑ	آنسہ اماتو ماچیکو	۱۱
مریخ - ہمارا پڑوسی	جناب ندیم یوسف	۱۹
تحفے	باذوق نونہال	۲۷
ٹیبل ٹینس	جناب ساجد علی ساجد	۳۱
آزادی کا پیغام	جناب علی اسد	۳۳
درخت رانی	آنسہ نازیہ فیض بلوچ	۳۵
کارٹون	جناب مشتاق	۴۰
چوہے کا بیاہ	جناب سیّد غلام جیلانی	۴۱
طب کی روشنی میں	جناب حکیم محمد سعید	۵۱
خیال کے پھول	ننھے گل چیں	۵۴
کالی بلا	ادارہ	۵۵
ہمدرد انسائیکلوپیڈیا	جناب علی ناصر زیدی	۶۱
معلومات عامہ ۲۴۸	ادارہ	۶۵
بزم ہمدرد نونہال	محبوب احمد خان	۶۷
اخبارِ نونہال	ننھے صحافی	۷۹
وارث کی تلاش	جناب مناظر صدّیقی	۸۱
صحت مند نونہال	ادارہ	۸۷

مسکراتے رہو، ننھے مزاح نگار ۸۸ ـ نونہال مصوّر، ننھے آرٹسٹ ۹۱ ـ ڈھول شہزادہ، جناب ابن آدم ۹۳
نونہال ادیب، ننھے لکھنے والے ۱۰۱ - ننّھے قارئین لکھتے ہیں، نونہال پڑھنے والے ۱۱۹ - معلوماتِ عامہ ۲۴۶ کے جوابات، ادارہ ۱۲۴
اس شمارے کے مشکل الفاظ ۱۲۸۔

اس رسالے کی تمام کہانیوں کے کردار اور واقعات فرضی ہیں۔ ان میں سے کسی کی کسی حقیقی شخص یا واقعے سے مطابقت محض اتفاقی ہو سکتی ہے، جس کے لیے ادارہ ذمہ دار نہ ہو گا

حکیم محمد سعید پبلشر نے ماس پرنٹرز کراچی سے چھپوا کر ادارہ مطبوعاتِ ہمدرد ناظم آباد کراچی نمبر ۱۸ سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جاگو جگاؤ

- کسی کمزور پر طاقت آزمانا بُزدلی ہے۔
- بچّوں اور عورتوں کو مارنا پیٹنا کم زوری اور بے وقوفی ہے۔
- کسی کا مال لُوٹنا اور کسی کو بے روزگار کرنا بڑی بے دردی ہے۔
- کسی کا گھر تباہ کرنا بد توفیقی ہے۔
- افواہوں پر بغیر سوچے سمجھے اور بغیر تصدیق کیے یقین کر لینا تباہی کی علامت ہے۔
- کسی کے متعلق بُری بات تحقیق کے بغیر مان لینا نادانی ہے۔
- کسی کی غلطی کا بدلا اس کے بھائی بیٹے سے لینا ظلم اور نا انصافی ہے۔

اِس کے برخلاف

- بُرائی کا جواب بھلائی سے دینا شرافت ہے۔
- کسی سے غلطی ہو جائے تو اس کو ہمدردی سے سمجھانا اور اِصلاح کرنا کردار کی بلندی ہے۔
- ایک دوسرے کے کام آنا بہت بڑی خوبی ہے۔
- ایک دوسرے کو معاف کر دینا بہت بڑی بڑائی ہے۔
- ایک دوسرے کو اذیت اور تکلیف سے بچانا بہت بڑا ثواب ہے۔
- غصّے کو پی جانا بہت بڑی بہادری ہے۔
- لڑائی نہ کرنا، اور لڑائی ہو جائے تو اس کو ختم کر کے صلح صفائی کی کوشش کرنا بہت بڑی نیکی ہے۔
- کسی کے عیب چُھپانا بہت بڑے درجے کی ہمدردی ہے۔

جب بھائی بھائی

آپس میں جھگڑتے ہیں تو دونوں نُقصان اٹھاتے ہیں اور دُشمن خوش ہوتے ہیں۔

امن بہت بڑی نعمت ہے۔ آپس میں مِل جُل کر، پیار محبّت سے رہنے میں بڑا مزہ ہے۔

تمھارا دوست اور ہمدرد **حکیم محمد سعید**

پہلی بات

مسعود احمد برکاتی

سال ۱۹۸۶ء کا آخری شمارہ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ وقت ہوا کے گھوڑے پر اُڑتا ہے، اس لیے کام کرنے میں دیر نہیں کرنی چاہیے۔ خاص طور پر اچھے اور نیک کام جلدی جلدی پورے کرنے چاہییں۔

ہمدرد نونہال کو بنانے سنوارنے میں ہم ہر وقت لگے رہتے ہیں۔ اس بار بھی آپ کچھ فرق دیکھیں گے، خاص طور پر تصویروں میں۔ ہم نے تو اپنی طرف سے نونہالوں کی شکایت دُور کرنے کی بہت کوشش کی ہے، اب صحیح فیصلہ تو نونہال ہی کر سکتے ہیں۔ تصویروں کے بارے میں نونہالوں کی رائے کا انتظار رہے گا۔

خاص نمبر کس مہینے میں شائع کیا جائے۔ اس کے بارے میں نونہالوں نے جولائی اور اگست کے مہینے زیادہ پسند کیے ہیں، کسی نے جولائی اور کسی نے اگست۔ اب اِن دونوں میں سے کسی ایک مہینے کا فیصلہ کرنے میں بھی نونہال ہی مدد کریں، ویسے ابھی وقت بھی خاصا باقی ہے۔

خطوط کا عنوان نونہالوں کے مشوروں کی روشنی میں نئے سال (۱۹۸۷ء) سے "قارئین کی عدالت" کیا جا رہا ہے۔ ایک سال تک تو یہ عنوان چلے گا۔ اس عرصے میں نونہالوں نے اس سے بھی اچھا کوئی عُنوان سوچ لیا تو وہ ۱۹۸۸ء سے کر دیا جائے گا۔ خوبی اور ترقی کی کوئی انتہا نہیں ہوتی۔ ہمیشہ نئی نئی باتیں اور راہیں سوچتے رہنا چاہیے۔

بزم ہمدرد نونہال کی دل چسپ روداد اس شمارے میں پڑھیے۔ جو بچّے بزم میں شریک ہونا چاہتے ہیں مگر اُنھوں نے اب تک اپنے نام پتے نہیں بھیجے ہیں وہ ایک علاحدہ کاغذ پر بزم ہمدرد نونہال عُنوان لکھ کر اپنا نام، پتا، عمر، کلاس اور اسکول کا نام لکھ کر بھیج دیں۔ پاکستان میں یہ واحد پروگرام ہے جو صرف نونہالوں کا ہے، نونہالوں کے لیے ہے اور اس میں نونہال ہی حصّہ لیتے ہیں۔ اِس شمارے میں ۱۶ صفحات زیادہ ہیں۔ اس لحاظ سے بھی یہ شمارہ آپ کو زیادہ پسند آئے گا۔ اچھا اب اگلے سال ملیں گے۔ اللہ حافظ

مِسکین گاڑیاں

شانُ الحق حقی

جیپ سے بولی موٹر کار — رَستہ دیں مجھ کو سرکار
دُور سے مُڑتا دیکھ کے ٹھیلا — رُک گیا رکشاؤں کا ریلا
چھکڑے نے جب رَستہ لانگا — ٹھہر گیا دَم سادھے تانگا
دیکھ کے ہوتی تنگ سَڑک — گھوم گیا شرما کے ٹرک
کِلینر بولا باندھ کے بھائی — بَس سے جب اِک بِھڑ ٹکرائی
ہونے لگی جب لائن آڑی — سیدھ میں آگئی ٹنکی گاڑی

آگے چل کر آیا سٹاپ — کاریں آن رُکیں چُپ چاپ
بتی ہوئی جب لال سے زرد — تھم گئے بچے عورتیں مَرد

پِک اَپ بولی، پہلے آپ — بَس بولی، جی پہلے آپ

غوط میں تھے گُل باباکل
جھٹکا کھا کر گئے سنبھل

قائدِ اعظم نے فرمایا

★ میں پاکستان کے ہر باشندے اور خاص طور پر اپنے نوجوانوں کو یہ بات اچھی طرح بتا دینا چاہتا ہوں کہ وہ خدمت، ہمت اور برداشت کے سچّے جذبے کا مظاہرہ کریں۔ ایسی شریفانہ اور بلند مثالیں قائم کریں کہ آپ کے ہم عصر اور آنے والی نسلیں آپ کی تقلید کریں۔

★ میرے نوجوان دوستو! اب میں آپ ہی کو پاکستان کا حقیقی معمار سمجھتا ہوں اور دیکھ رہا ہوں کہ آپ اپنی باری پر کیا کچھ کر کے دکھاتے ہیں۔ اس طرح رہیے کہ کوئی آپ کو گُمراہ نہ کر سکے۔ کوئی آپ کو غلط طور پر استعمال نہ کر سکے۔ اپنی صفوں میں مکمّل اتّحاد اور استحکام پیدا کیجیے۔ ایک مثال قائم کر دیجیے کہ نوجوان کیا کچھ کر سکتے ہیں۔ آپ کا اصل کام کیا ہونا چاہیے۔ اپنی ذات سے وفا، اپنے والدین سے وفا، اپنی مملکت سے وفا، اپنے مطالعے پر کامل توجہ۔

★ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ مُنتشر ہو گے تو گِر پڑو گے اور متّحد ہو گے تو کھڑے رہو گے۔

★ پاکستان مسلمانوں کے اتحاد کا مظہر ہے اور اُسے ایسا ہی رہنا چاہیے۔ سچّے مسلمانوں کی حیثیت سے آپ کا فرض ہے کہ دل وجان سے اس (پاکستان) کی پاسبانی اور حفاظت کریں۔ اگر ہم پہلے یہ سمجھنے لگیں کہ ہم پہلے بنگالی، پنجابی، سندھی وغیرہ ہیں اور مسلمان و پاکستانی محض اتفاقیہ تو جان لیجیے کہ پاکستان کا شیرازہ بکھر جائے گا۔

★ ہمیشہ سے میری کوشش یہ رہی ہے کہ مسلمانوں میں اتّحاد پیدا ہو جائے اور مجھے امید ہے کہ اس عظیم مملکت پاکستان کی تعمیر و ترقی کا جو کام اس وقت ہمارے سامنے ہے اسے دیکھتے ہوئے سب کو اس بات کا کامل احساس ہوگا کہ اس وقت اتحاد کی پہلے سے کہیں زیادہ ضرورت ہے۔

★ ہم مسلمان ایک خدا، ایک رسول، ایک کتاب پر یقین رکھتے ہیں۔ پس لازمی اور ناگزیر ہے کہ ہم مِلّت کی حیثیت میں بھی ایک ہوں۔

قائداعظم ہیں زندہ آج بھی

قمر ہاشمی

قائداعظم نے گھر لے کر دیا
اور اک قائد نے اپنا سر دیا
ہم نے لیکن آنسوؤں سے بھر دیا
تم ان اشکوں کو سمیٹو آب یاری کے لیے

قائداعظم نے یک جہتی سکھائی
چھوڑ دینی تھی ہمیں ہر اِک بُرائی
گھر کے اندر ہر طرح کی ہو صفائی
اپنے دل میں بھی کدورت مت رکھو

قائداعظم نے دِل گرما دیے
سبز پرچم ہر جگہ لہرا دیے
اختلافاتِ زمیں دفنا دیے
کیوں کہ یہ اللہ کا فرمان تھا

اتحاد و نظم کا نعرہ دیا
سب کو آپس میں گلے ملوا دیا
تم یہ سوچو تم نے اس کو کیا دیا
یہ وطن قربانیوں کا ہے صلہ

یہ چمن اندر چمن گلزار ہے
گھر نہیں جنّت کی جُو ئبار ہے
یہ خُدا کے رزق کا انبار ہے
شکرِ نعمت اس کے بندوں پر ہے فرض

قائداعظم ہیں زندہ آج بھی
وہ ہیں پاکستان کے سرتاج بھی
ان کا ہے ذہنوں کے اوپر راج بھی
آؤ ان کی فکر کو تازہ رکھیں

اِک نیا معیار
ڈیزائن بیشمار
گولڈ فِش ڈیلکس پینسل
Goldfish
DELUXE PENCIL
بین الاقوامی معیار کے مُطابق دیدہ زیب
ڈیزائنوں میں اپنی نوعیت کی واحد
گولڈ فِش ڈیلکس پینسل ۔
دیکھنے میں دلکش استعمال میں بہترین
گولڈ فِش ڈیلکس پینسل
ھر دکان/اسٹور اور اسٹیشنرز سے
دستیاب ھیں۔
شاہ سنز لمیٹڈ
ڈی ۸۸ ۔ایس۔آئی۔ٹی۔ای۔کراچی
فون: ۲۹۳۴۵۱، ۲۹۳۴۵۲

Midas Khi

گوں چھوٹا لومڑ

جاپانی: نیمی نانکی چی
اُردو: اَمانو ماچیکو

یہ کہانی ایک نوعمر جاپانی ادیب نیمی نانکی چی نے ۱۹ سال کی عمر میں لکھی تھی۔ نیمی نانکی چی نے بچوں کے لیے بہت سی کہانیاں لکھیں۔ یہ کہانی اس کی سب سے مقبول کہانی ہے۔ اس کہانی میں مصنف نے بتایا ہے کہ ایک چھوٹے سے لومڑ نے کئی بار اچھے کام کرنے کی کوشش کی۔ پرانے زمانے میں جاپانیوں میں یہ خیال عام تھا کہ لومڑی اور لومڑ اچھے جانور نہیں ہوتے اور وہ انسان کو دھوکا دیتے ہیں۔ یہ ایک اداس کرنے والی کہانی ہے۔ لفظ آسان اور بہت سادہ ہیں، لیکن خیال بہت اچھا ہے۔ نیمی نانکی چی ۱۹۱۳ء میں پیدا ہوا تھا اور افسوس کہ صرف تیس سال زندہ رہ کر ۱۹۴۳ء میں دنیا سے رخصت ہو گیا۔ اس کہانی کا جاپانی سے اردو میں ترجمہ غیر ملکی زبانوں کی ٹوکیو یونی ورسٹی کی ایک ہونہار اور باصلاحیت طالبہ اَمانو ماچیکو نے خاص نونہال کے لیے کر کے ٹوکیو سے بھیجا ہے۔ ہم اَمانو ماچیکو کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔ اس کہانی کی تصویریں بھی عزیزہ اَمانو ماچیکو نے بنا کر بھیجی ہیں۔

مدیر اعلا

جب میں چھوٹا تھا اس وقت میں نے اپنے گاؤں کے ایک بوڑھے سے جس کا نام 'موہے' تھا یہ کہانی سنی۔

پرانے زمانے میں ہمارے گاؤں کے قریب 'ناکایاما' میں ایک چھوٹا سا قلعہ تھا۔ اس میں ایک بادشاہ 'ناکایاما' رہتا تھا۔ وہاں سے ذرا دُور پہاڑ میں ایک لومڑ رہتا تھا۔ اس کا نام 'گوں' تھا۔ وہ ایک چھوٹا سا یتیم بچّہ تھا اور گھنے جنگل کے اندر ایک بِل میں اکیلا رہتا تھا۔ وہ دن رات گاؤں کا چکّر لگاتا اور شرارتیں کرتا تھا۔ کھیتوں میں سے آلو کھودنا، سوکھتے ہوئے سرسوں کے بھوسے کو جلانا، کسانوں کے گھر کے پیچھے دروازے سے لٹکی ہوئی مرچوں کو چُرانا۔ اس کی شرارتوں میں شامل تھے۔

ایک بار خزاں کا موسم تھا۔ دو تین دِنوں سے بارش ہو رہی تھی، اس لیے گوں بِل کے باہر نہ

جا سکا اور وہیں رہا۔ بارش ختم ہوئی تو گوں خوشی سے باہر نکلا۔ آسمان بہت صاف تھا اور چڑیوں کے چہچہے سُنائی دے رہے تھے۔ گوں گاؤں کی ندی کی طرف نکل آیا۔ وہاں پتا ور کے اوپر اب تک بارش کے قطرے چمک رہے تھے۔ اکثر اس ندی میں تھوڑا بہت پانی ضرور رہتا تھا، مگر تین دن کی بارش کی وجہ سے ندی کے قریب کی گھاس اب پانی میں ڈوب گئی تھی۔ گوں ندی کے نیچے کی طرف کیچڑ میں اُترا۔ اس نے دیکھا کہ ندی کے اندر ایک آدمی ہے اور وہ کچھ کر رہا ہے۔ وہ چوری چھپے اس کے قریب پہنچا اور اس کو غور سے دیکھا۔ "وہ شاید 'ہے ئی جُو' ہے؟" گوں نے سوچا۔ 'ہے ئی جُو' اپنے پھٹے پرانے کالے کیمونو کو اوپر اُٹھائے ہوئے کمر تک پانی میں کھڑا تھا۔ وہ مچھلیاں پکڑنے کے لیے جال کو ہلا رہا تھا۔ وہ اپنے سر پر تولیا باندھے ہوئے تھا۔ اس کے گال پر بڑے تل کی طرح ایک گول پتّا چپکا ہوا تھا۔

اتنے میں 'ہے ئی جو' نے جال کے آخری حصّے کو ندی سے نکالا۔ اس میں گھاس کی جڑیں، پتّے اور لکڑیوں کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے وغیرہ تھے۔ پھر اس میں اِدھر اُدھر کچھ سفید چیزیں بھی چمک رہی تھیں۔ وہ بڑی بام اور دوسری مچھلیوں کے پیٹ تھے۔ 'ہے ئی جو' نے ٹوکری میں ان کو دوسری فضول چیزوں کے ساتھ رکھ دیا اور اس نے جال کے پھیلے ہوئے منھ کو بند کر کے ندی کے پاس زمین پر رکھ دیا اور شاید کسی چیز کی تلاش میں وہاں سے چلا گیا۔ اس کے بعد گوں جھاڑیوں میں سے اُچھلتے ہوئے ٹوکری کی طرف فوراً آ گیا، اس لیے کہ وہ کوئی شرارت کرنا چاہتا تھا۔ گوں ٹوکری سے مچھلیوں کو نکال کر ان کو ندی کے نیچے کی طرف پھینکنے لگا۔ مچھلیاں ایک آواز کے ساتھ پانی میں گر گئیں۔

سب سے آخر میں اس نے بڑی بام کو پکڑنے کی کوشش شروع کی، مگر وہ بہت چکنی تھی۔ اس لیے گوں اسے پنجے سے نہیں پکڑ سکا۔ گوں تنگ آ چکا تھا۔ اب اس نے اپنے سَر کو ٹوکری میں ڈالا اور بام کے سَر کو منھ سے پکڑ لیا۔ بام ہلکی آواز نکالتی ہوئی گوں کے گلے سے لپٹ گئی۔ اچانک 'ہے ئی جو' دُور سے پکارا، "ارے چھوڑ!"

گوں حیرت سے اُچھل پڑا۔ بام گوں کے گلے سے لپٹی ہوئی تھی۔ گوں اس کے ساتھ سَر پر پاؤں رکھ کر بھاگنے لگا۔ اپنے بِل کے قریب آیا تو وہ 'ہے ئی جو' کو دیکھنے کے لیے ایک درخت کے نیچے مڑا، مگر وہ اس کے پیچھے نہیں آیا تھا۔ گوں نے اطمینان کی سانس لی اور وہ بام کے سَر کو دانتوں سے کچلنے لگا۔ پھر اس نے اس کو بِل کے باہر ایک بڑے پتّے پر رکھ دیا۔

دس دن کے بعد گوں ایک کسان کے گھر کے پیچھے سے گزر رہا تھا تو یہاں انجیر کے درخت کے پیچھے 'یا سوکے' کی بیوی کو اس نے اپنے دانتوں میں کالک لگاتے ہوئے دیکھا۔ لوہار 'شیھے' کے گھر کے پیچھے سے گزرا تو لُہارن بال بنا رہی تھی۔ گوں نے سوچا، "ارے، گاؤں میں آج کیا ہو رہا ہے؟ کیا خزاں کا تہوار ہے؟ مگر کوئی ڈھول یا بانسری کی آواز کیوں نہیں سُنائی دے رہی ہے؟ اور سب سے پہلے عبادت گاہ میں جھنڈا کیوں نہیں لہرایا جا رہا ہے؟"

یہ سوچتے ہوئے وہ نہ جانے کس وقت 'ہے ئی جو' کے گھر کے سامنے پہنچ گیا۔ اس گھر کے باہر ایک لال کنواں تھا۔ اس چھوٹے اور کچھ کچھ تباہ حال گھر میں بہت سے آدمی موجود تھے۔ پڑوس کی عورتیں پُر تکلف کپڑے پہنے ہوئے تھیں اور اپنی کمر سے تولیے لٹکائے ہوئے گھر

کے باہر تندور میں آگ لگا رہی تھیں۔ بڑے بڑے کڑچھوں میں کوئی چیز اُبل رہی تھی۔ گوں نے
دل میں کہا، "آہ، کوئی مر گیا ہے۔ کیا رہے تی جو، کے خاندان کا کوئی شخص چل بسا؟"

تیسرے پہر کو گوں گاؤں کے قبرستان گیا اور دیوتا کے مجسمے کے پیچھے چھُپ گیا۔ موسم بہت اچھا تھا اور قلعے کی چھت کے کھپریل چمک رہے تھے۔ قبرستان میں سرخ پھول لال کپڑے کی طرح پھیلے ہوئے تھے۔ اس وقت گاؤں سے گھنٹے کی آواز سنائی دی۔ یہ جنازہ نکلنے کی علامت تھی۔ اتنے میں

جنازے کے جلوس میں شامل سفید لباس پہنے ہوئے لوگ نظر آئے۔ ان کی آوازیں اور قریب آگئیں۔ ان کے قدموں کے نیچے لال پھول کچلے جارہے تھے۔ گوں نے پنجوں کے بل کھڑے ہو کر جھانکا۔ 'ہے ئی جو' پُر تکلف کپڑے پہنے ہوئے تھا۔ اس نے ایک مورتی کو زمین پر رکھا۔ ہمیشہ اس کا چہرہ لال شکر قند کی طرح خوش و خرم نظر آتا، مگر آج اُداس دکھائی دیتا تھا۔

"ہاں شاید 'ہے ئی جو' کی ماں مر گئی ہے۔" یہ سوچتے ہوئے گوں نے اپنے سر کو پھر سے چھپا لیا۔

اس رات گوں نے اپنے بل میں سوچا، "'ہے ئی جو' کی ماں بیمار تھی۔ شاید اس نے کہا ہو کہ وہ بام کھانا چاہتی ہے۔ اس لیے 'ہے ئی جو' جال لے کر آیا تھا، لیکن میں اپنی شرارت میں بام کو اُٹھا لایا۔ اس لیے 'ہے ئی جو' اپنی ماں کو بام نہیں کھلا سکا۔ اتنے میں اس کی ماں مر گئی ہو گی۔ ہو سکتا ہے اس کی ماں نے کہا ہو، "بیٹے، میرا بام کھانے کو جی چاہتا ہے۔ آج وہ لاؤ۔ وہ یہی کہتے ہوئے مر گئی ہو گی۔ ہائے کاش میں نے ایسا نٹ کھٹ پن نہ کیا ہوتا۔"

'ہے ئی جو' لال کنویں کے سامنے گندم صاف کر رہا تھا۔ کل تک وہ اپنی ماں کے ساتھ غربت کی زندگی گزار رہا تھا۔ ماں کے انتقال کے بعد اب وہ اکیلا رہ گیا تھا۔ جھونپڑی کے پیچھے سے دیکھ کر گوں نے سوچا، "اب 'ہے ئی جو' بھی میری طرح اکیلا ہے۔" گوں وہاں سے جیسے ہی نکلا تو کہیں سے مچھلی فروش کی آواز آئی:

"مچھلی لے لو! مچھلی لے لو! تازہ اور سستی!" گوں اس کی طرف دوڑا۔ "یاسوکے' کی بیوی نے اپنے گھر کے دروازے سے کہا، "اِدھر دینا۔"

مچھلی فروش اپنے ٹھیلے پر مچھلیوں کی ٹوکری چھوڑ کر ایک چمکیلی مچھلی کو لے کر 'یاسوکے' کے گھر میں داخل ہوا۔ گوں نے اِسی لمحے ٹوکری سے پانچ چھے مچھلیاں پکڑیں اور واپس بھاگ لیا۔ "ہے ئی جو' کے گھر کے پیچھے دروازے سے ان کو گھر کے اندر رکھ کر اپنے بل کی طرف تیزی سے روانہ ہو گیا۔ جاتے جاتے اس نے مُڑ کر دیکھا کہ اب تک 'ہے ئی جو' کنویں کے سامنے گندم صاف کر رہا تھا۔ گوں نے سوچا کہ بام کی تلافی کے لیے اس نے پہلی بار ایک اچھی کارروائی کی ہے۔

اگلے دن گوں پہاڑ سے بہت سے اخروٹ اکھٹے کر کے 'ہے ئی جو' کے گھر گیا۔ پچھلے دروازے

سے دیکھا تو 'ہے ئی جُو' دوپہر کا کھانا کھا رہا تھا۔ اس کے ہاتھوں میں چاول کا پیالہ تھا اور وہ خالی خالی نظروں سے کچھ سوچ رہا تھا۔ یہ عجیب بات تھی کہ اس کے چہرے پر ایک خراش کا نشان تھا۔ گوں کی سمجھ میں نہ آیا کہ کیا بات ہے۔ 'ہے ئی جو' بڑبڑانے لگا، "آخر کس آدمی نے گھر میں مچھلیاں پھینکی تھیں؟ اس لیے مچھلی فروش کو یہ شک ہوا کہ میں چور ہوں اور اس نے مجھے مارا پیٹا۔"

گوں نے یہ سُن کر سوچا، "میں بے خبری میں بے جا کام کر گیا۔ افسوس ہے کہ اس کی وجہ سے اس نے مار کھائی۔"

یہ سوچ کر وہ چپکے چپکے جھونپڑی کی طرف چلا اور دروازے سے گھر میں اخروٹ رکھ کر واپس آگیا۔

اگلے دن اس نے جنگل میں بہت سے اخروٹ جمع کیے اور 'ہے ئی جُو' کے گھر رکھ آیا۔ پھر اگلے دن اس نے اخروٹ کے ساتھ مشرومِ (سانپ کی چھتری) بھی جمع کیے اور خاموشی سے 'ہے ئی جُو' کے گھر میں چھوڑ کر بھاگ آیا۔

اس رات چاند بہت حسین تھا۔ گوں اِدھر اُدھر پھر تا رہا۔ قلعہ 'ناکایاما' کے نیچے راستے پر جا رہا تھا۔ اسی تنگ راستے پر دُور سے کچھ آدمیوں کو آتے دیکھا۔ جھینگروں کی ہلکی ہلکی آوازیں آرہی تھیں۔ گوں راستے کے ایک طرف ایک کونے میں خاموشی سے چُھپ گیا۔ ان کی آوازیں رفتہ رفتہ قریب آگئیں۔ وہ دو کسان تھے 'ہے ئی جو' اور 'کاسوکے'۔

"سنو 'کاسوکے'!" 'ہے ئی جُو' نے کہا۔

"جی!"

"اِن دنوں میرے ساتھ کچھ عجیب حیرت ناک باتیں ہوئی ہیں۔"

"کیا؟"

"میری ماں کی موت کے بعد ہر روز کوئی مجھے اخروٹ اور مشروم وغیرہ دیتا ہے۔"

"ہاں، مگر کون؟"

"میں نہیں سمجھا۔ میری سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کون ہے اور کب یہ چیزیں میرے گھر میں رکھی جاتی ہیں۔"

"واقعی؟"

"سچ مچ، اگر تم یہ سوچتے ہو کہ ایسا کیسے ہو سکتا ہے تو کل تم میرے گھر آؤ۔ میں تمھیں وہ چیزیں دکھاؤں گا۔"

"جی، ٹھیک ہے۔ پھر بھی یہ بالکل عجیب بات ہے۔"

اس کے بعد وہ دونوں خاموشی سے چلتے رہے۔

'کاسوکے' نے اچانک پیچھے کی طرف مڑ کر دیکھا۔ گوں گھبرا کر ٹھیر گیا، مگر 'کاسوکے' نے گوں کو نہیں دیکھا۔ اور پھر اسی طرح تیز تیز چلنے لگا۔ ایک کسان 'کیچی بے' کے گھر کے سامنے پہنچے اور دونوں اندر چلے گئے۔ گھر کے باہر چوبی باجے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔

"میرے خیال میں اب سوترا شروع ہو گا۔" گوں یہ سوچ کر کنویں کے پاس خاموشی سے ٹھیر گیا۔ ذرا دیر بعد تین اور آدمی ساتھ ساتھ 'کیچی بے' کے گھر کے اندر داخل ہوئے۔ سوترا کی آوازیں سنائی دینے لگی تھیں۔

گوں سوترا کے ختم ہونے تک کنویں کے پاس انتظار کرتا رہا۔ 'ہے ئی جو' اور 'کاسوکے' پھر ایک ساتھ باہر نکلے۔ گوں ان کی بات چیت سننے کے لیے ان کے پیچھے چلا۔ وہ 'ہے ئی جو' کے دیو نما سائے پر قدم رکھتے ہوئے چل رہا تھا۔ جب وہ قلعے کے سامنے آ گئے تو 'کاسوکے' نے اچانک کہا:

"میرے خیال میں وہ اللہ کا کرم ہے۔"

"کیا؟" 'ہے ئی جو' حیرت سے 'کاسوکے' کے چہرے کو تکنے لگا۔

"میں نے کئی بار سوچا تھا۔ شاید یہ انسان کا نہیں، اللہ کا کام ہے۔ اللہ تعالیٰ تمھاری تنہا زندگی پر رحم کرتے ہوئے تمھیں بہت سی چیزیں دیتا ہے۔"

"یہی بات ہے۔"

"ہاں، یہی بات ہے۔ اس لیے تمھیں ہر روز اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔"

"ہاں ہاں۔"

گوں نے دل میں سوچا، "سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ میں ہی اخروٹ اور مشروم وغیرہ رکھتا ہوں، مگر وہ میرے بجائے اللہ کا شکر ادا کرے گا۔ خیر۔"

اگلے دن بھی گوں اخروٹ کے ساتھ 'ہے ئی جُو' کے گھر گیا۔ 'ہے ئی جُو' جھونپڑی میں بیٹھا بندوق کے لیے ایک رستا بنا رہا تھا۔ اس لیے گوں اس کے گھر کے پیچھے کے دروازے سے داخل ہوا۔ اسی وقت 'ہے ئی جُو' نے اتفاقاً اپنا سَر اُٹھایا۔ اس نے ایک لومڑ کی شکل دیکھی جو اس کے گھر میں داخل ہو رہا تھا۔ اس نے سوچا کہ اسی لومڑ نے اس دن میری بام پکڑی تھی۔ وہ پھر کوئی شرارت کرنے کے لیے آیا ہے۔

"اچھا!" ہے ئی جُو اُٹھا اور جھونپڑی میں لٹکی ہوئی بندوق کو لے کر اس میں بارود بھری اور دروازے سے نکلتے ہوئے گوں کے قریب خاموشی سے آیا اور اس پر بندوق چلا دی۔ گوں وہیں گر گیا۔ 'ہے ئی جُو' تیزی سے اس کے پاس پہنچا۔ اس نے اپنے گھر میں دیکھا تو کمرے میں مٹی کے فرش پر بہت سے اخروٹ رکھے ہوئے تھے۔ "یہ کیا؟" ہے ئی جو نے حیرت سے گوں کا چہرہ دیکھا۔

"گوں، وہ تم تھے جو اکثر میرے لیے اخروٹ لاتے تھے؟" گوں دَم توڑ رہا تھا۔ اس نے اپنی آنکھیں بند کرتے ہوئے سَر کو "ہاں" میں ہلایا۔ 'ہے ئی جو' نے اپنی بندوق ٹھک سے زمین پر پٹخ دی۔ بندوق کی نال سے اب تک ہلکا ہلکا نیلا دھواں نکل رہا تھا۔

سارے بچّوں کی پہلی پسند!

انڈس شارپنز

مریخ — ہمارا قریبی سیّارہ

ندیم یوسف

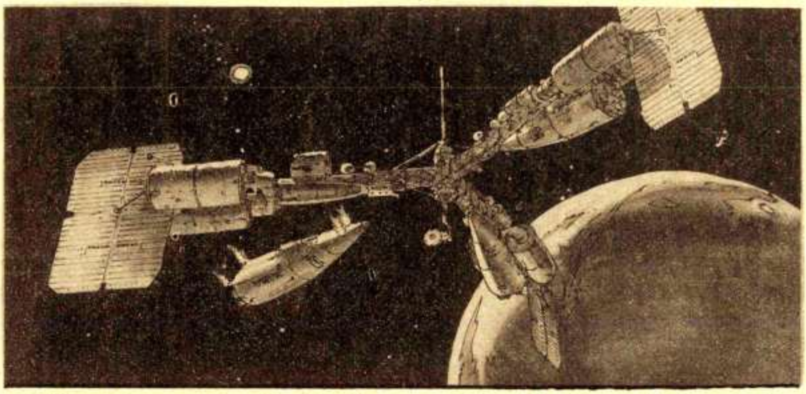

خلا نورد سرخ سیارے پر اترنے کے لیے زمین سے اِس تکونے خلائی جہاز کے ذریعے سفر کر کے مریخ کے قریب پہنچیں گے۔ خلائی جہاز سے مریخ پر اترنے کے لیے وہ خلائی جہاز پر موجود ایک اور چھوٹے جہاز پر، جو "شٹل لینڈر" کہلائے گا سوار ہو کر مریخ کی سطح پر اتریں گے۔ بڑا خلائی جہاز انھیں اتار کر کسی انسان کے بغیر زمین پر لوٹ آئے گا۔

یہ اتوار ۳۰۔ اکتوبر ۱۹۳۸ء کی شام تھی جب ریاست ہائے متحدہ امریکا کے کئی ہزار لوگوں کو ایک حیرت انگیز واقعے کا سامنا کرنا پڑا۔ اس شام جب لوگوں نے اپنے اپنے ریڈیو کھولے تو انھیں ایک عجیب و غریب خبر سننے کو ملی۔ ریڈیو پر یہ کہا جا رہا تھا کہ سیارہ مریخ پر رہنے والی مخلوق زمین تک پہنچ گئی ہے اور اس نے دنیا کے لوگوں پر زہریلی گیسوں سے حملہ کر دیا ہے۔ ریڈیو پر ان سڑکوں اور مقامات کے نام بھی بتائے جا رہے تھے جہاں شدید خطرہ تھا اور لوگوں کو ان مقامات پر جانے سے منع کیا جا رہا تھا۔ جو لوگ گاڑیوں میں سوار تھے اور ریڈیو سُن رہے تھے انھوں نے اپنی گاڑیوں کا رُخ خطرے والی سڑکوں سے دُور محفوظ مقامات کی جانب کر لیا تھا۔ کئی علاقوں میں خوف و ہراس پھیل گیا تھا۔ لوگ حیران و پریشان تھے، مگر یہ

بے چینی صرف ایک یا ڈیڑھ گھنٹے میں ختم ہو گئی جب انھیں معلوم ہوا کہ یہ تو صرف ایک ڈراما تھا۔ انگریزی کے نام وَر ادیب ایچ جی ویلز نے اپنے مشہور سائنسی ناول "دی وار اوف دی ورلڈز" (THE WAR OF THE WORLDS) میں مریخی باشندوں کے زمین پر حملے کا فرضی منظر پیش کیا تھا اور اس دن ریڈیو پر اسی ناول کو ڈرامائی شکل میں پیش کیا جا رہا تھا۔ اس پروگرام کو اس قدر مہارت سے پیش کیا گیا کہ بہت سے لوگوں کو یہ یقین ہو گیا کہ واقعی مریخ پر بھی کوئی عقل مند مخلوق موجود ہے۔

نظامِ شمسی کے سب سیاروں میں مریخ (MARS) ہم میں سب سے زیادہ جستجو پیدا کرتا ہے۔ بہت سے لوگوں کے ذہنوں میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا مریخ پر بھی انسان وغیرہ رہتے ہیں؟ سائنسی کہانیاں لکھنے والے مصنفوں نے مریخ پر زندگی کے وجود کو خاص طور پر اپنا موضوع بنائے رکھا ہے۔ آئیے ہم سیّارہ مریخ کے بارے میں اپنی معلومات میں اضافہ کریں۔

چوتھا سیّارہ

مریخ بھی ایک سیّارہ ہے یعنی ہماری زمین کی طرح یہ بھی سورج کے گرد گھومتا ہے۔ یہ ہمارے نظامِ شمسی کا چوتھا سیّارہ ہے۔ اس کا مدار خلا میں ہماری زمین کے مدار کے باہر ہے اور سیّارہ زہرہ کے بعد مریخ ہمارا قریب ترین پڑوسی سیّارہ ہے۔ زمین کے مقابلے میں مریخ سورج سے تقریباً ڈیڑھ گنا زیادہ دُور ہے۔ اس کا سورج سے اوسط فاصلہ ۲۳ کروڑ کلو میٹر کے قریب ہے۔ یہ سورج کے گرد ایک چکّر چھے سو ستاسی دِنوں میں لگاتا ہے۔ اس لیے مریخ کا ایک سال ہمارے تقریباً دو سالوں کے برابر ہے۔

مریخ ہماری زمین سے کافی چھوٹا ہے۔ اس کا قطر چھے ہزار آٹھ سو کلو میٹر کے قریب ہے جب کہ ہماری زمین کا قطر تقریباً بارہ ہزار آٹھ سو (۱۲۸۰۰) کلو میٹر ہے۔ اس طرح مریخ کا قطر زمین کے مقابلے میں آدھا ہے۔ مریخ کی کمیت ہماری زمین سے تقریباً نو گُنی کم ہے۔ وہاں پر کشش کی قوّت تقریباً تین گنی کم ہے۔ اگر آپ کا زمین پر وزن ساٹھ پونڈ ہو تو مریخ پر آپ کا وزن صرف ساڑھے بائیس پونڈ رہ جائے گا۔

مریخ اور زمین میں بہت سی باتیں ایک جیسی ہیں۔ زمین اپنے محور کے گرد ایک چکّر چوبیس

گھنٹوں میں مکمل کرتی ہے۔ مریخ کو اپنی محوری گردش میں چوبیس گھنٹے اور سینتیس منٹ لگتے ہیں۔ اس لیے مریخ کا ایک دن ہمارے ایک دن سے ۳۷ منٹ ہی بڑا ہوتا ہے۔ مریخ اور زمین دونوں کے محور تقریباً برابر زاویے پر جھکے ہوئے ہیں، اس لیے وہاں بھی ہماری زمین کی طرح موسم ہوتے ہیں، یعنی سردی، گرمی، بہار وغیرہ۔ لیکن چوں کہ مریخ کا ایک سال ہمارے سال کا دوگنا ہے، لہٰذا وہاں ہر موسم کی مدّت زمین کے مقابلے میں دوگنی ہوگی۔

مریخ کی سطح

اگر ہم ایک تاریک رات میں مریخ کو دیکھیں تو وہ ہمیں سرخ نظر آتا ہے۔ یہ سرخی مائل رنگ سیّارے کی سطح کا اصلی رنگ ہے۔ دُور بین سے مریخ کو دیکھنے پر وہ ہمیں نارنجی رنگ کی ایک گول ٹکیا جیسا دکھائی دیتا ہے اور اس کا زیادہ تر حصّہ ایک ایسے صحرا کی طرح لگتا ہے جس کی ریت یا مٹی نارنجی رنگ کی ہے۔ کہیں کہیں گہرے رنگ کے دھبّے بھی دکھائی دیتے ہیں جو مریخی سال کے مختلف اوقات میں ہلکے بھورے سے سبز رنگ میں تبدیل ہوجاتے ہیں۔ مریخ کی جانب بھیجے جانے والے خلائی جہازوں کی کھینچی ہوئی تصویروں سے ظاہر ہوتا ہے کہ مریخ کی سطح پر کئی اونچے اونچے پہاڑ، قدیم آتش فشانوں کے دہانے اور گہری اور وسیع وادیاں ہیں۔ ہماری زمین کے تو تین چوتھائی حصّے پر بڑے بڑے سمندر پھیلے ہوتے ہیں، مگر مریخ پر سمندروں یا دریاؤں کا نام و نشان تک نہیں، البتہ مریخ کے دونوں قُطبَین (قُطب بَین) پر برف کے تودے دیکھے گئے ہیں جو وہاں کی سردیوں میں بڑھ جاتے ہیں اور گرمیوں میں غائب ہوجاتے ہیں، یعنی مریخ پر پانی بہت ہی کم مقدار میں ہے۔

کیا مریخ پر ہوا ہے؟

مریخ پر ہوا موجود تو ہے، مگر بہت کم مقدار میں ہے۔ مریخ کا کرۂ ہوائی بہت پتلا ہے۔ وہاں کی ہوا زمین پر موجود ہوا کے مقابلے میں دو سو گنی ہلکی ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ ہم جیسے جیسے بلندی کی طرف جائیں ہوا بہت لطیف یا ہلکی ہوتی جاتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ مریخ کی سطح پر ہوا اتنی لطیف ہے جتنی زمین سے تقریباً انیس کلو میٹر (کوہِ ہمالیہ کی اونچائی سے دوگنا) بلندی پر ہوتی ہے، مگر مزے دار بات یہ ہے کہ جو تھوڑی بہت ہوا وہاں موجود ہے وہ سانس لینے کے

قابل نہیں ہے، کیوں کہ اس کا زیادہ تر حصّہ صرف کاربن ڈائی اوکسائڈ گیس پر مشتمل ہے اور اوکسی جن بہت ہی کم مقدار میں ہے۔

سائنس دانوں کا کہنا ہے کہ مریخ پر آندھیاں اور گرد و غبار کے طوفان بھی آتے رہتے ہیں۔ مریخی کرۂ ہوائی میں کبھی کبھی چھوٹے چھوٹے بادل بھی دیکھے گئے ہیں۔

کیا مریخ پر نہریں موجود ہیں؟

دُور بین سے مریخ کو دیکھنے پر اس کی سطح پر بہت سی غیر واضح لکیریں سی نظر آتی ہیں۔ جب شروع شروع میں لوگوں نے مریخ کا دُور بین سے مطالعہ کیا تو انھوں نے خیال کیا کہ یہ لکیریں بہتی ہوئی "نہروں" کو ظاہر کرتی ہیں۔ اس انکشاف کے بعد سنسنی پھیل گئی۔ مصنّفوں اور اخبار نویسوں کو ایک دل چسپ مشغلہ ہاتھ آگیا اور انھوں نے خوب خوب کہانیاں لکھ ڈالیں۔ انھوں نے کہا کہ مریخ پر ضرور "انسان" موجود ہیں جنھوں نے نہریں بنا کہ آب پاشی کا اتنا بڑا منصوبہ تیار کیا ہے۔ یوں اس خیال کی ابتدا ہوئی کہ اس سیارے پر کوئی زندہ مخلوق رہتی ہے، مگر سائنس دانوں نے جلد ہی پتا چلا لیا کہ یہ لکیریں وغیرہ "نہریں" ہرگز نہیں ہیں۔ اب خلائی جہازوں نے مریخ کی جو تصویریں روانہ کی ہیں ان میں کسی قسم کے مصنوعی نشانات وغیرہ نظر نہیں آتے، جن سے یہ پتا چلے کہ یہ کسی مخلوق کے کیے ہوئے کام ہیں۔

مریخ پر زندگی

ہم جان داروں کے زندہ رہنے کے لیے ہوا (اوکسی جن) اور پانی انتہائی ضروری ہیں۔ لوگ مریخ کے بارے میں سوچتے ہیں کہ وہاں تو ہوا بھی ہے اور قطبین پر برف کی شکل میں پانی بھی موجود ہے، اس لیے وہاں زندگی موجود ہونی چاہیے۔ مریخ پر زندگی کے وجود پر بحث بہت دل چسپ رہی ہے، جو سو سال سے زیادہ عرصے سے جاری ہے اور اس بارے میں بہت سی الٹی سیدھی باتیں بھی لکھی جاتی رہی ہیں، مگر یہ بات بالکل صاف ہے کہ ہم جیسے انسانوں یا ہمارے جانوروں وغیرہ سے ملتی جلتی کوئی جان دار شے مریخ پر موجود نہیں ہو سکتی، کیوں کہ وہاں پر اوکسی جن بہت ہی کم مقدار میں ہے، دوسرے یہ کہ وہاں پانی بھی (برف کی شکل میں) بہت کم ہے، اور تیسری وجہ یہ ہے کہ مریخ پر درجۂ حرارت کافی کم رہتا ہے اور رات کے وقت تو نقطۂ انجماد (۰ ْ س۔

صفر درجہ سینٹی گریڈ) سے بھی بہت نیچے گر جاتا ہے۔ اگر وہاں کوئی مخلوق ہو بھی تو رات کو وہ سردی سے جم جائے گی۔ ہماری زمین بہت خوش قسمت ہے کہ یہاں پر وہ تمام چیزیں مناسب طور پر موجود ہیں جو زندگی کے لیے لازمی ہیں۔

مریخ کی جانب روانہ کیے جانے والے خلائی جہازوں نے جو معلومات زمین پر بھیجی ہیں اور وہاں کی جو تصویریں لیں، اُن سے وہاں کسی قسم کی زندگی کا پتا نہیں چلا ہے۔ احتیاطاً ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اگر مریخ پر کوئی جان دار شے ہو بھی تو وہ ہماری زمین پر رہنے والوں سے بالکل مختلف ہوگی۔ کسی ذہین مخلوق کی موجودگی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کچھ لوگوں کے خیال میں شاید وہاں کچھ ایسی نباتات موجود ہوں جو ہمارے ہاں کی کائی (پودوں کی ایک بہت معمولی اور سادہ قسم) سے ملتی جلتی ہو، مگر اس کا امکان بھی بہت کم ہے۔

مریخ کے دل چسپ چاند

مریخ پر زندگی کے وجود پر بحث کو چھوڑیے اور بھی تو دل چسپ باتیں ہیں، مثلاً مریخ کے دو عجیب و غریب چاندوں کو لیجیے جو اتنے ننھے منّے سے ہیں کہ چھوٹی دُور بین سے بھی نظر نہیں آتے۔ یہ ہمارے چاند سے بالکل مختلف ہیں۔ انھیں اگست ۱۸۷۷ء میں ایک امریکی ماہرِ فلکیات نے دریافت کیا تھا۔ مریخ کے یہ چاند فوبوس (PHOBOS) اور ڈیموس (DEIMOS) کہلاتے ہیں۔ فوبوس کا قطر صرف ۲۳ کلو میٹر ہے اور ڈیموس کا قطر صرف ۱۳ کلو میٹر ہے۔ ذرا سوچیے کہ ہمارے چاند کا قطر تو ساڑھے تین ہزار کلو میٹر کے قریب ہے۔ ہمارا چاند اُن چاندوں سے ہزاروں گنا بڑا اور لاکھوں گنا زیادہ بھاری ہے۔

مریخ کے یہ چاند اس سے بہت قریب ہیں۔ ہمارا چاند ہم سے پونے چار لاکھ کلو میٹر سے بھی زیادہ دُور ہے۔ فوبوس کا مریخ کی سطح سے فاصلہ صرف چھے ہزار کلو میٹر ہے اور ڈیموس تقریباً بیس ہزار کلو میٹر دُور ہے۔ ہمارا چاند تو زمین کے گرد ایک ماہ میں ایک چکّر لگاتا ہے مگر مریخ کے یہ چاند بڑی تیزی سے گھومتے ہیں۔ فوبوس تو تقریباً ساڑھے سات گھنٹے میں ایک چکر لگا لیتا ہے اور ڈیموس کو ایک چکّر لگانے میں تقریباً تیس گھنٹے لگتے ہیں۔

مریخ کے چاندوں کا نظارہ

اگر ہم مریخ پر پہنچ کر اس کے چاندوں کو دیکھ سکتے تو ہمیں بہت ہی دل چسپ نظارہ دکھائی دیتا، کیوں کہ فوبوس مغرب سے نکل کر مشرق میں ڈوبتا ہے۔ کیا آپ نے کبھی چاند کو مغرب سے نکل کر مشرق میں ڈوبتے ہوئے دیکھا ہے؟ یقیناً نہیں، مگر مریخ پر آپ یہ حیران کُن تماشا دیکھ سکتے ہیں۔ وہ بھی دن میں دو مرتبہ، کیوں کہ فوبوس مریخ پر ایک دن میں دو مرتبہ طلوع ہوتا ہے اور دو مرتبہ غروب۔ ڈیموس بھی کچھ کم دِل چسپ نہیں۔ یہ مشرق سے جب ایک دفعہ طلوع ہو جاتا ہے تو پھر مسلسل تقریباً تین دن اور تین راتوں تک آسمان پر نظر آتا رہتا ہے اور پھر مغرب میں غروب ہو جاتا ہے۔ یہ ساڑھے پانچ دِنوں میں صرف ایک مرتبہ ہی طلوع ہوتا ہے۔ مزے دار بات یہ بھی ہے کہ یہ چاند ہلال سے لے کر بدر تک تمام شکلیں فوراً بدلتے ہیں۔ کتنا خوب صورت ہوگا یہ منظر۔

انسان مریخ پر

مریخ کے بارے میں یہ دل چسپ باتیں جان کر آپ ضرور مریخ پر جانا چاہیں گے، تاکہ اس کے ننھّے منّے چاندوں کو دیکھ سکیں اور اگر وہاں کوئی مخلوق موجود ہو تو اس سے ملاقات بھی کر سکیں، مگر آپ کو شاید معلوم ہو کہ انسان ابھی تک مریخ پر نہیں پہنچا ہے۔ جدید ترین آلات سے لیس کئی خلائی جہازوں کو مریخ کی تحقیقات کے لیے کام یابی سے استعمال کیا جا چکا ہے، لیکن ابھی تک انسان نے خود کسی راکٹ میں بیٹھ کر مریخ پر اُترنے کی کوشش نہیں کی۔

کیا انسان مریخ پر جا سکتا ہے؟ اس کا جواب ہے، کیوں نہیں! انسان مدّتوں سے چاند اور تاروں کی سیر کے خواب دیکھتا رہا ہے۔ انسان چاند پر جا پہنچا ہے اور اب دوسرے سیّاروں پر پہنچنے کی تیاری کر رہا ہے۔ مریخ کی مہم اتنی آسان نہیں۔ اس میں کھربوں رُپے خرچ ہوں گے اور خلابازوں کو مہینوں تک خلا میں سفر کرنا پڑے گا۔ پھر انسانی جانوں کی سلامتی کا بھی پورا پورا خیال رکھنا پڑے گا۔ اس لیے سائنس داں بڑی احتیاط سے اس مہم کے تمام پہلوؤں کا جائزہ لے کر ہی کوئی بڑا قدم اٹھائیں گے۔ مریخ پر جا کر ہی اس بات کا حتمی فیصلہ ہو سکے گا کہ وہاں پر زندگی (کسی بھی شکل میں) موجود ہے یا نہیں۔ اِن شاءاللہ اس صدی کے ختم ہونے تک یا اگلی صدی کی ابتدا

میں انسان مریخ پر پہنچ جائے گا۔ کاش ہم مسلمان سائنسی ترقی میں سب سے آگے ہوتے تاکہ دوسری قوموں سے پہلے مریخ پر پہنچ سکتے۔

مریخ کو آسمان پر کیسے دیکھ سکتے ہیں؟

مریخ پر ہم ابھی جا تو نہیں سکتے، مگر ہم رات کے آسمان پر اُسے ضرور دیکھ سکتے ہیں۔ یہ سرخ سیّارہ سال کی اکثر راتوں کو مختلف اوقات میں آسمان پر نظر آتا ہے، چوں کہ مریخ اور زمین دونوں سورج کے گرد چکر لگا رہے ہیں اس لیے کبھی تو مریخ اور زمین ایک دوسرے کے کافی قریب ہوتے ہیں اور کبھی بہت دُور۔ تقریباً ہر دو سال کے بعد مریخ ہماری زمین کے قریب آجاتا ہے خوش قسمتی سے یہ اس سال یعنی جولائی ۸۶ء کے مہینے میں زمین کے قریب آگیا ہے۔ یہ اُسے دیکھنے کا بہت اچھا موقع ہے۔ مریخ آج کل (جولائی، اگست ۱۹۸۶ء) سورج غروب ہونے کے بعد ایک سرخ ستارے کی طرح مشرق میں دکھائی دیتا ہے، رات بھر آسمان پر چمکتا ہے اور صبح کے وقت مغرب میں ڈوب جاتا ہے۔

ہر پندرہ یا سترہ سالوں کے بعد سیّارہ مریخ ہماری زمین سے قریب ترین مقام سے گزرتا ہے۔ اس وقت یہ ہم سے تقریباً ساڑھے پانچ کروڑ کلومیٹر (یا ساڑھے تین کروڑ میل) دُور ہوتا ہے۔ اُن دِنوں مریخ رات کے وقت آسمان پر بہت چمک دار سرخ رنگ کے ستارے جیسا نظر آتا ہے۔ اس وقت یہ اتنا روشن ہو جاتا ہے کہ تمام ستاروں کو پیچھے چھوڑ دیتا ہے اور ایک تاریک رات میں صاف آسمان پر ایک چھوٹے سے لال انگارے کی طرح چمکتا دکھائی دیتا ہے (اسی لیے پرانے زمانے کے لوگ اس سیّارے کو آسمان پر خون کا ایک قطرہ کہتے تھے اور انھوں نے اس کا نام اپنے جنگ کے دیوتا کے نام پر (MARS) یعنی مریخ رکھا تھا۔) خوش قسمتی سے یہ موقع بھی اب چند ہی سالوں میں آنے والا ہے اور آپ اس اہم موقع کو ہاتھ سے جانے نہ دیجیے گا۔

تمام طلبا، و طالبات کی دلپسند

نوٹ بُکس

پی پی پی برانڈ

ملک بھر کے یوٹیلیٹی اور کینٹین اسٹورز اور اسٹیشنری کی
دوکانوں میں مقررہ داموں پر دستیاب ہیں۔

پاکستان پیپر پروڈکٹس لمیٹڈ

پوسٹ بکس نمبر ۷۴۳۸ - کراچی ۳

786/PPP-16/84

تحفے

مسئلہ

مرسلہ: نامعلوم، حیدرآباد

ایک اسکول کے باہر ایک پولیس کا سپاہی کھڑا ہوا تھا۔ چار پانچ سال کی ایک معصوم سی بچی دوڑتی ہوئی اس کے پاس آئی اور پولیس والے کی وردی کو غور سے دیکھ کر بولی، "کیا آپ کانسٹیبل ہیں؟" پولیس والے نے مسکراتے ہوئے کہا، "ہاں۔"

بچی بولی، "میری امی کہتی ہیں کہ اگر تم تنہا ہو اور کسی کی مدد کی ضرورت ہو تو کسی کانسٹیبل سے کہہ دینا۔" پولیس والا بولا، "ہاں ٹھیک ہے، بولو کیا بات ہے؟"

"میری ناک صاف کرکے جوتے کے تسمے باندھ دیں۔" بچی نے مسئلہ بیان کیا۔

اناڑی گھوڑا

مرسلہ: شائستہ وجاہت، کراچی

مولانا محمد علی جوہر کچھ دنوں کے لیے ولی عہد بڑودا کے اتالیق مقرر ہوئے۔ ایک دن ولی عہد گھوڑے پر سوار ہو کر پریڈ کے میدان میں گئے۔ مولانا بھی دوسرے گھوڑے پر سوار اُن کے ساتھ تھے۔ ولی عہد نے میدان میں اپنے گھوڑے کو سرپٹ دوڑانا شروع کر دیا۔ مولانا کے گھوڑے نے یہ دیکھا تو وہ خود ہی بھاگنے لگا۔ راستے میں لڑائی کی مشق کے لیے گڑھے کھود دیے گئے تھے۔ ولی عہد نے گھوڑے کو اشارہ کیا اور چھلانگ لگا کر پار ہوگیا۔ مولانا نے چوں کہ گھوڑے کو اشارہ نہیں کیا تھا اس لیے وہ گڑھے کے پاس پہنچ کر جھجکا اور گر پڑا۔ اُس کے ایک دم رک جانے سے مولانا کو جھٹکا لگا اور وہ گڑھے کے اُس پار جا گرے۔ ولی عہد نے پلٹ کر دیکھا تو مولانا کھڑے ہو چکے تھے اور اپنے کپڑوں کی مٹی جھاڑنے میں لگے ہوئے تھے۔ ولی عہد گھوڑے کو موڑ کر مولانا کے پاس آئے اور پوچھا، "مولانا یہ کیا؟" مولانا نے برجستہ فرمایا، "جناب میں تو خندق پار کرکے یہاں آگیا، آپ کا گھوڑا اناڑی تھا وہ اُدھر ہی رہ گیا۔"

اپنی مدد آپ

مرسلہ: سمیرا کمال، کراچی

تمام تجربوں سے ثابت ہوا ہے کہ کسی ملک کی خوبی و عمدگی اور قدر و منزلت بہ نسبت وہاں کی گورنمنٹ کے عمدہ ہونے کے زیادہ تر اُس ملک کی رعایا کے چال چلن، اخلاق و عادات، تہذیب و شائستگی پر منحصر ہے، کیوں کہ قوم شخصی حالتوں کا مجموعہ ہے اور ایک قوم کی تہذیب درحقیقت اِن مردوں، عورتوں اور بچوں کی شخصی ترقی ہے

جن سے قوم بنی ہے۔ قومی ترقی مجموعہ ہے شخصی محنت، شخصی عزت، شخصی ایمان داری، شخصی ہمدردی کا۔ اسی طرح قومی تنزّل مجموعہ ہے شخصی سستی، شخصی بے عزتی، شخصی بے ایمانی، شخصی خود غرضی اور شخصی برائیوں کا۔ بد تہذیبی و بدچلنی جو اخلاقی، تمدّنی یا باہمی معاشرت کی بدیوں میں شمار ہوتی ہے، درحقیقت وہ خود اسی شخصی آوارہ زندگی کا نتیجہ ہے۔ اگر ہم چاہیں کہ بیرونی کوشش سے اِن بُرائیوں کو جڑ سے اکھاڑ ڈالیں اور نیست و نابود کردیں تو یہ بُرائیاں کسی اور نئی صورت میں اس سے بھی زیادہ زور و شور سے پیدا ہو جائیں گی، جب تک شخصی زندگی اور شخصی چال چلن کی حالتوں کو ترقی نہ دی جاوے۔

سرسیّد احمد خان

ہائے میری امّی

مرسلہ: سیما خانم

۱۰ر جون ۱۹۳۰ء کا واقعہ ہے۔ پولینڈ کا مال بردار جہاز پولٹیکا جب گہرے سمندر میں پہنچ گیا تو کپتان سمیت تمام لوگ مطمئن ہو گئے کہ چھے دن کا سفر طے کرنے کے بعد اگلی بندرگاہ پر رُکیں گے اور چھٹّیوں کا لطف اٹھائیں گے، مگر اسی رات سمندری لہروں کو غصّہ آگیا اور وہ جہاز کو کھلونے کی طرح اُٹھا اُٹھا کر پٹخنے لگیں۔ اس قسم کے طوفان کا سبھی کو تجربہ تھا لیکن ہُوا یُوں کہ جب بھی جہاز ڈولتا کئی لاکھ چیخ و پکار کی آوازیں بیک وقت "ہائے میری امّی" "ہائے میری امّی" کی آتیں۔ کپتان اور اس کے عملے کے لوگوں کے ہوش اُڑ گئے۔ جب "ہائے میری امّی" کی آواز مسلسل آتی رہی تو انھوں نے چھان بین کی ٹھانی۔ جہاں مال رکھا ہوا تھا پورا عملہ اس طرف دوڑا اور وہاں پر رکھی ہوئی پیٹیوں کو جب توڑا تو معلوم ہوا کہ ان پیٹیوں میں لاکھوں ایسی گڑیاں بھری ہوئی ہیں جو دائیں جانب جُھکنے پر "ہائے میری امّی" بولتی ہیں۔

سات دانے

مرسلہ: سلیم نور محمد، کراچی

۱۔ زندگی کی مالا میں ایسے قیمتی موتی جمع کرو، جن کی چمک سے سارے جہاں میں روشنی پھیل جائے۔

۲۔ اپنی زندگی میں ایسی شمعیں روشن کرو، جن کی روشنی سے آنے والی نسلیں روشنی حاصل کرسکیں۔

۳۔ وہ انسان جو علم حاصل کر کے بھی گناہ کرے وہ اس پھول کی طرح ہے جو شوخ رنگ ہونے کے باوجود خوشبو نہ دے سکے۔

۴۔ کتابوں کو زمین پر نہیں گرنے دیا کرو، کیوں کہ کتابیں انسان کو آسمان پر لے جاتی ہیں۔

۵۔ عادتیں ابتدا میں کچے دھاگے کی طرح ہوتی ہیں لیکن آہستہ آہستہ لوہے کے تار بن جاتی ہیں جن میں شخصیت محصور ہوکر رہ جاتی ہے۔

۶۔ جب سچائی دل میں ہو تو کردار میں حُسن پیدا ہوتا ہے۔ اگر کردار میں حُسن ہو تو ماحول خوش گوار ہوتا ہے۔

۷۔ اچھی بات چاہے کوئی کیسے بتے باندھ لو، کیوں کہ جب موتی کی قیمت مقرر کی جاتی ہے تو یہ نہیں دیکھا جاتا کہ سمندر کی تہ سے لانے والا شریف ہے یا ذلیل۔ (سقراط)

باپ کا جواب

مرسلہ: افشاں حفیظ، کراچی

ایک کاشت کار نے اپنے لڑکے کو وکالت پڑھوائی۔ دوسرے کاشت کار کو اس پر رشک آیا۔ اُس نے بھی اپنے لڑکے کو وکیل بننے کے لیے ایک بڑے شہر بھیج دیا۔ چند سال بعد لڑکا تعلیم حاصل کر کے لوٹ آیا۔ باپ کو اس سے یہ سن کر بہت مایوسی ہوئی کہ اس نے قانون کے بجائے منطق کی سند حاصل کی ہے۔ وہ اس وقت تو خاموش رہا۔ دوسرے روز صبح وہ دونوں ناشتا کرنے بیٹھے۔

باپ نے پوچھا "میاں! جو کچھ تم نے پڑھا ہے کیا وہ وکالت سے بڑا علم ہے؟"

"جی ہاں بابا!" لڑکے نے جواب دیا، "وکالت میں جھوٹ کو سچ اور سچ کو جھوٹ ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، لیکن میں اپنے مضمون کے ذریعے سے ایک چیز کو دو چیزیں ثابت کر سکتا ہوں۔"

"وہ کیسے؟" باپ کا منھ حیرت سے کُھل گیا۔ لڑکے نے پلیٹ میں رکھے ہوئے انڈے کی طرف اشارہ کیا:

"یہ اُبلا ہوا انڈا دیکھنے میں صرف ایک چیز ہے، لیکن منطق کے لحاظ سے ایک چیز تو خود یہ انڈا ہے۔ دوسری چیز ہے اس کی "اصلیت"۔

باپ نے حیرت سے دیکھا۔ پھر جلدی سے انڈا اٹھا کر منھ میں رکھتے ہوئے بولا:

"انڈا میں نے کھالیا ہے۔ اصلیت تم کھالو۔"

لاجواب

مرسلہ: ملک عطا حسین، کراچی

ماسٹر صاحب اپنے ذہین شاگرد کے سوال و جواب سے بہت پریشان تھے۔ ایک دن انھوں نے اپنی دانست میں شاگرد سے لاجواب کر دینے والا سوال کر دیا۔ پوچھا "بیٹے اگر تم بتا دو کہ اللہ کہاں ہے تو میں تمھیں سو رُپے انعام دوں گا۔" ذہین شاگرد نے جواب دیا "اگر آپ مجھے یہ بتا دیں کہ اللہ میاں کہاں نہیں ہے تو میں آپ کو دو سو رُپے انعام دوں گا۔"

امپورٹڈ کتّا

مرسلہ: شاذیہ رضا، جہلم

جب ہمارا انگریز افسر بھاری دِل اور اس سے زیادہ بھاری قدموں کے ساتھ اپنے وطن کی جانب روانہ ہوا اور روانگی سے قبل اس تعلقِ خاطر کی بنا پر، جو ہم کو اُس سے اور اُس کو اپنے کتّے سے تھا، دریافت کیا:

"تم چاہو تو میرا کتّا بطور یادگار رکھ سکتے ہو۔ امپورٹڈ السیشن ہے، تیرہ ماہ کا۔ سیزر کہہ کر پکارو تو دُم ہلاتا ہوا آتا ہے۔"

آپ اندازہ نہیں کر سکتے اس صلائے خاص میں ایک کمزور دل کے آدمی کے لیے للچاہٹ کے کیا کیا سامان پوشیدہ تھے۔ اس میں مُطلق شُبہ نہ تھا کہ اس سے بہتر کوئی اور یادگار نہیں ہو سکتی کہ جب بھی وہ بھونکے

گا۔ افسر کی یاد تازہ ہو جائے گی۔ پھر یہ کہ السیشن! کبھی ہم اس کو کبھی ہم اپنے گھر کو دیکھتے ہیں! افسر کی ادنا مہربانی سے ہمیں اتنی خوشی ہوتی ہے کہ بقول مرزا اگر اس وقت ہمارے دُم ہوتی تو ایسی ہلتی کہ پھر نہ تھمتی۔ رہی سہی جھجکپاہٹ کو لفظ "امپورٹڈ" نے دُور کر دیا۔ اُس زمانے میں ہر وہ شے جو وطنِ عزیز میں پیدا نہیں ہوئی ہو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھی، چناں چہ ہر بگڑا ہوا مسلمان رئیس یہ ثابت کرنے پر تُلا تھا کہ نہ صرف اس کے کتّے بلکہ اُس کے اپنے بزرگ بھی اصلی امپورٹڈ تھے اور ایک خالی تلوار لے کر ماوراءُ النہر سے ہندستان میں وارد ہوئے تھے۔

—— مشتاق احمد یوسفی

اڑتے ہوئے لمحے

مرسلہ: فریدہ عبدالغفار، کراچی

وقت کے اُڑتے ہوئے لمحوں سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے کی کوشش کرو، کیوں کہ مرجھائے ہوئے پھول تو بہار میں پھر تازہ ہو جاتے ہیں، لیکن گزرے ہوئے ایام کبھی نہیں لوٹتے۔ بڑی سے بڑی قیمت پر بھی ہاتھ نہیں آتے۔ (آنسہ محمودہ رضویہ)

تین موتی

مرسلہ: ایم افضل مغل، ڈگری

۱۔ اگر تم بیس برس کی عمر میں خوب صورت نہیں، تیس برس کی عمر میں طاقت ور نہیں، چالیس برس میں دانا نہیں، پچاس برس میں دولت مند نہیں تو کبھی خوب صورت طاقت ور، دانا اور دولت مند ہونے کی امید نہ کرو۔

۲۔ میں جانتا ہوں کہ دنیا کہاں جا رہی ہے مگر میں حیران ہوں کہ دنیا اس وقت کہاں جا رہی ہے۔

۳۔ زندگی کی حقیقت ہی کیا ہے، اذان سے نماز تک کا وقفہ۔ پیدائش کے وقت اذان دی جاتی ہے اور موت پر نماز۔

ٹھوس اشیا

مرسلہ: ہما اختر، لاڑکانہ

ٹھوس اشیا اپنی شکل نہیں بدلتیں، البتہ دوسروں کی بدل دیتی ہیں۔ پتھر ٹھوس ہے جیسا ہے ویسا ہی رہتا ہے، لیکن کسی آدمی کو لگے تو وہ کیسا ہی ٹھوس ہو اس میں سے مائع اور گیس وغیرہ خارج ہوتی ہے۔ مائع جیسے آنسو، گیس جیسے گالیاں، آہیں وغیرہ۔

(ابنِ انشا کی کتاب سے اقتباس)

سچ

مرسلہ: عبدالسلام، دائرہ دین پناہ

سچ کی خوبیاں روزِ روشن کی طرح عیاں ہیں۔ سچ اُجالا ہے اور جھوٹ اندھیرا۔ جھوٹا کبھی کامیاب نہیں ہوتا، کیوں کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ جھوٹے پر اللہ کی لعنت۔ کیا جھوٹا کوئی ایسا مقام تلاش کر سکتا ہے جہاں پہنچ کر لعنتِ خداوندی سے بچ جائے۔ ہرگز نہیں۔ سچ کو جھوٹ سے بہتر سمجھتے ہوئے بھی ایسا کیوں ہے؟

ٹیبل ٹینس

جس میں گیند پچاس ساٹھ میل گھنٹہ کی رفتار سے سفر کرسکتی ہے

ساجد علی ساجد

ٹیبل ٹینس کا کھیل یوں لگتا ہے جیسے صرف چین، جاپان اور کوریا کے کھلاڑیوں کے لیے بنا ہے۔ وہ بالکل مشین کی طرح اس کھیل کو اتنی تیزی اور پھرتی سے کھیلتے ہیں کہ دوسرے ملکوں کے کھلاڑیوں کے لیے ان کی رفتار تک پہنچنا مشکل ہو جاتا ہے، مگر پچھلے کئی برسوں سے جو کھلاڑی اس کھیل میں چین، جاپان اور کوریا کا مقابلہ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، ان میں پاکستان کے کھلاڑی بھی شامل ہیں۔

پچھلے دنوں سیئول میں جو دسویں ایشیائی کھیل ہوئے تھے، ان میں بھی پاکستان کی ٹیبل ٹینس ٹیم نے شرکت کی تھی، جو عارف خاں، فرجاد سیف، محبوب خاں، شمیم نازلی اور نورجہاں پر مشتمل تھی۔ ان ایشیائی کھیلوں میں اگرچہ پاکستانی ٹیبل ٹینس ٹیم کوئی خاص کارگردگی نہیں دکھا سکی، پھر بھی اس نے اپنے وجود کا احساس ضرور دلا دیا۔

اس سے پہلے اسلام آباد میں کوئی دو سال پہلے جو ایشیائی ٹیبل ٹینس چیمپین شپ ہوئی تھی اس میں پاکستان کے عارف خاں نے کوارٹر فائنل میں پہنچ کر تہلکا مچا دیا تھا۔ اس طرح عارف خاں پاکستان کے پہلے کھلاڑی ہیں جو ورلڈ رینکنگ میں آئے ہیں۔ یوں سمجھیے دنیا میں کسی بھی کھیل کے جو بڑے بڑے کھلاڑی ہوتے ہیں ان کی درجہ بندی کر کے ان کو پہلا، دوسرا، تیسرا یا اس کے بعد کا درجہ (رینک) دیا جاتا ہے۔ اسی کو ورلڈ رینکنگ کہتے ہیں۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ گھر کے محفوظ اور پُرسکون ماحول میں کھیلنے کے لیے ٹیبل ٹینس بہت دل چسپ کھیل ہے۔ آج ہم ہمدرد نونہال کے قارئین کو اسی کھیل کے بارے میں خاص خاص باتیں بتانا چاہتے ہیں۔ ٹیبل ٹینس کا کھیل کہاں سے نکلا۔ اس بارے میں تاریخ کی کتابوں میں وضاحت سے تو کچھ نہیں لکھا۔ ہاں یہ بات یقینی ہے کہ اس کی پیدائش انگلستان کی ہے۔ بالکل ابتدا میں یہ کھیل گوسما

کہلاتا تھا اور اسے ۱۸۹۹ء میں جیمز گِب نے شروع کیا تھا۔ ۱۹۰۰ء میں اسے "پنگ پونگ" کا نام دیا گیا۔ یہ نام اس آواز کی وجہ سے دیا گیا تھا جو بلّے پر گیند لگنے سے پیدا ہوتی ہے۔ ۱۹۰۲ء میں پنگ پانگ ایسوسی ایشن بنی مگر یہ کھیل مقبول نہیں ہوا۔ کچھ وقفے کے بعد ۱۹۲۱ء میں یہ کھیل پھر شروع کیا گیا، مگر پھر پتا چلا کہ پنگ پانگ کے نام کو تو کسی بزنس مین نے رجسٹرڈ کرا رکھا ہے، چناں چہ اس کا نام بدل کر ٹیبل ٹینس رکھ دیا گیا، یعنی ٹینس سے ملتا جلتا وہ کھیل جو میز پر کھیلا جاتا ہے۔

برلن میں ۱۹۲۶ء میں جرمنی کے ڈاکٹر اولاف لیہرین کی کوششوں سے ایک اجلاس ہوا جس میں انٹرنیشنل ٹیبل ٹینس فیڈریشن کا قیام عمل میں آیا۔ اس کے بعد سے اس کھیل کے ساز و سامان کی بناوٹ اور قوانین میں بہت سی تبدیلیاں ہو چکی ہیں۔ ٹیبل ٹینس کی میز نو فیٹ لمبی اور پانچ فیٹ چوڑی اور زمین سے دو فیٹ چھے انچ بلند ہوتی ہے۔ میز پر چھے انچ اونچا نیٹ لگایا جاتا ہے۔ ٹیبل ٹینس کی گیند کا وزن ڈھائی گرام اور قطر ۳۷ اعشاریہ ۲ سے ۳۸ اعشاریہ ۲ ملی میٹر تک ہونا چاہیے۔ اسے کبھی اولمپک میں شامل نہیں کیا گیا، تاکہ تمغوں پر مغربی ملکوں کی اجارہ داری قائم رہے اور چین جاپان اس توازن کو درہم برہم نہ کریں۔

دنیا کے سب سے کم عمر ٹیبل ٹینس کے بین الاقوامی کھلاڑی جمیکا کے آٹھ سالہ جوئے فوسٹر تھے۔ ٹیبل ٹینس میں سب زیادہ کامیابیاں حاصل کرنے والے ہنگری کے وکٹر برنا تھے جب کہ لڑکیوں میں رومانیہ کی اے روزیانو اور ہنگری کی ایم میڈنیانسکی نے سب سے زیادہ مرتبہ چیمپین شپ جیتی۔ یہ جاننا بھی دل چسپی سے خالی نہ ہوگا کہ ٹیبل ٹینس کی گیند کی زیادہ سے زیادہ رفتار کیا رہی ہے۔ اس کی زیادہ سے زیادہ رفتار ساٹھ میل فی گھنٹہ رِکارڈ کی گئی ہے۔ یہ رِکارڈ چین کے چانگ زِتے تنگ نے قائم کیا جو ۱۹۶۱ء، ۱۹۶۳ء اور ۱۹۶۵ء کے عالمی چیمپین تھے۔ وہ میچ جو سب سے زیادہ دیر تک جاری رہا ۱۹۳۶ء میں پراگ چیکوسلواکیہ میں اوسٹریا اور رومانیہ کے درمیان کھیلا گیا جو پچیس چھبیس گھنٹے جاری رہا۔

جیسے ہی کوئی ٹیبل ٹینس میں سروس کرتا ہے کھیل شروع ہو جاتا ہے۔ اگر کھیل کا سلسلہ بغیر تسلسل ٹوٹے کافی دیر جاری رہے اور گیند مسلسل ایک طرف سے دوسری طرف سفر کرتی رہے تو اسے "ریلی" کہتے ہیں۔ طویل ترین ریلی کا رِکارڈ دو گھنٹے ۱۲ منٹ کا ہے، جو نیوزی لینڈ کی نک کراجینی اور گراہم لیسن نے قائم کیا تھا۔

:+++++++++++++:

ایک سوداگر کے پاس ایک چڑیا تھی، جسے وہ پنجرے میں رکھے ہوئے تھا۔ سوداگر ہندستان جا رہا تھا اور یہ چڑیا بھی ہندستان ہی سے لائی گئی تھی۔ سوداگر نے چڑیا سے کہا کہ اگر تم کو کوئی چیز وہاں سے منگوانا ہو تو بتا دو، میں لیتا آؤں گا۔ چڑیا بولی، "مجھے تو بس اپنی رہائی کی فکر

ہے۔ اگر آپ مجھے آزاد کر دیں تو بڑا احسان ہو۔"

یہ سُن کر سوداگر بولا، "میں تم کو ہرگز آزاد نہیں کر سکتا۔ آزادی کے سوا اور جو مانگو وہ میں تم کو دے سکتا ہوں۔" اس پر چڑیا بولی، "اچھا آپ اتنی مہربانی کریں کہ آپ اُس جنگل میں جائیں جہاں میں رہتی تھی اور وہاں آزاد چڑیوں کے سامنے میری گرفتاری کا اعلان کر دیں۔"

سوداگر راضی ہو گیا اور ہندُستان چلا گیا۔ جب وہ اس جنگل میں پہنچا تو وہاں اس نے وہی اعلان کر دیا۔ اس کے اعلان کرتے ہی ایک چڑیا درخت پر سے گر پڑی۔ سوداگر سمجھا کہ یہ چڑیا میری چڑیا کی رشتے دار ہو گی۔ اپنی رشتے دار کی گرفتاری کی خبر سُن کر بے ہوش ہو گئی اور گر کر مر گئی۔ سوداگر کو بڑا صدمہ ہوا۔

بہرحال وہ اپنے گھر واپس آ گیا۔ چڑیا نے اس سے پوچھا کہ کہیے، کیا خبر لائے ہیں آپ۔ اس پر سوداگر بولا، "میں تو تمھارے لیے بڑی خراب خبر لایا ہوں۔ تمھاری ایک رشتے دار چڑیا تمھاری گرفتاری کی خبر سنتے ہی درخت پر سے گر پڑی اور مر گئی۔ اتنا سُننا تھا کہ سوداگر کی چڑیا بھی پنجرے میں ڈھیر ہو گئی۔ سوداگر سمجھا کہ یہ بھی اپنی عزیزہ کی موت کی خبر سُن کر مر گئی۔ اس نے چڑیا کو پنجرے میں سے نکال کر کھڑکی کے باہر پھینک دیا۔ جیسے ہی چڑیا کو کھڑکی سے باہر پھینکا وہ پھُر سے اُڑ کر ایک درخت پر جا بیٹھی اور بولی:

"سوداگر صاحب! آپ جس کو بُری خبر سمجھتے تھے وہ اصل میں میرے لیے نہایت اچھی خبر تھی۔ مجھے تو خود آپ ہی کے ذریعہ سے آزادی کا پیغام بھیجا گیا تھا۔ ہُوا یہ کہ میری ساتھی چڑیا کو جب معلوم ہوا کہ میں گرفتار ہوں تو اس نے درخت سے گر کر مجھ کو یہ پیغام دیا کہ میں بھی مُردہ بن کر ڈھیر ہو جاؤں۔ ظاہر ہے کہ مُردہ چڑیا کو کون رکھے گا، لہٰذا آپ نے مجھے پنجرے سے نکال کر باہر پھینک دیا اور اس طرح میں رہا ہو گئی۔ اب میں آزاد ہوں۔" اتنا کہہ کر چڑیا اُڑتی ہوئی دُور نکل گئی۔

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیثِ نبوی آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لیے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے، لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہوں اُن کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

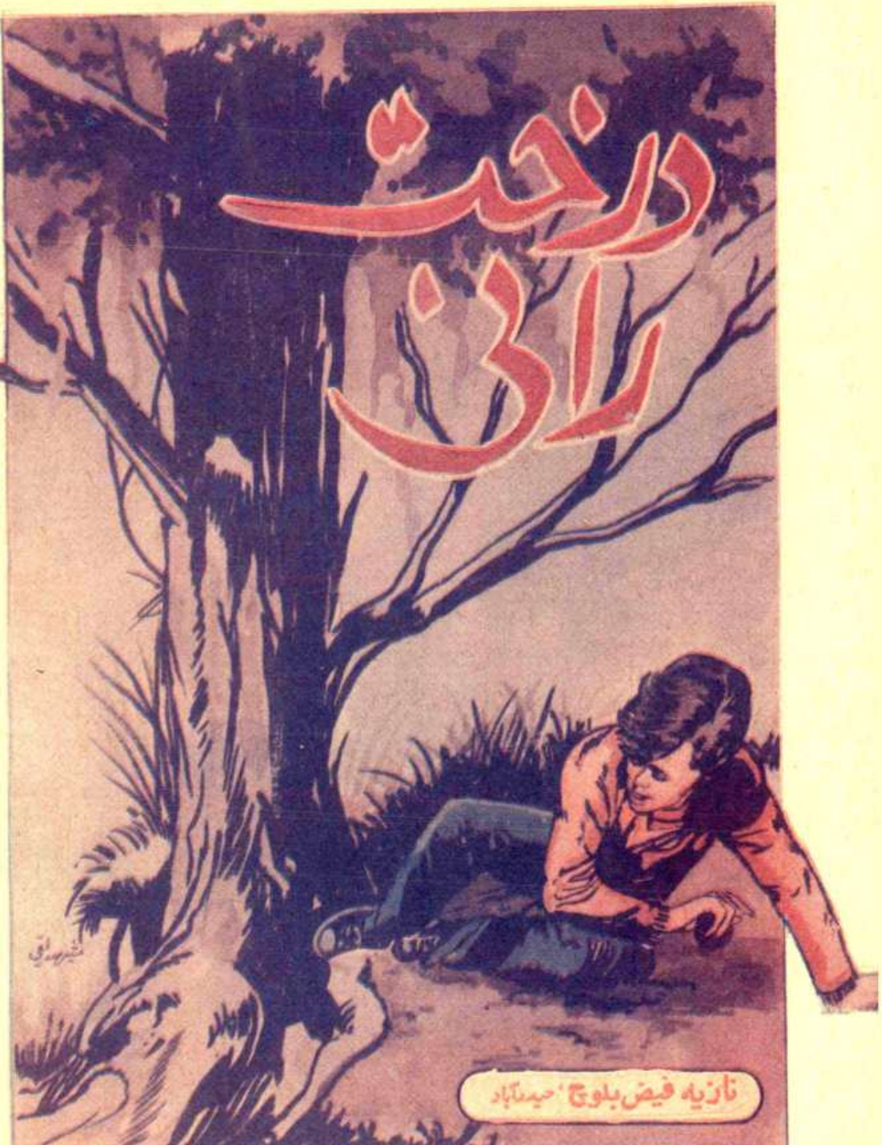
درخت راذی
نازیہ فیض بلوچ، حیدرآباد

طافو نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ پھر اطمینان سے برگد کے درخت کے نیچے بیٹھ گیا۔ پھر جیب سے سنگترہ نکالا اور چھیلنا شروع کر دیا۔

"اُوں ہوں! طافو، چیزیں چُرانا بہت بُری بات ہے۔" کسی نے اُس سے سرگوشی کی تو وہ بُری طرح اُچھل پڑا۔ وہ گھبراہٹ میں سنگترہ جیب میں ٹھونس کر کھڑا ہو گیا، مگر یہ کیا! وہاں تو کوئی بھی نہیں تھا۔ اس نے حیرانی سے اِدھر اُدھر نظریں دوڑائیں پھر سر جھٹک کر دوبارہ سنگترہ کھانے لگا۔

" طافو، بھئی یہ بُری حرکت ہے۔ بتایا نا ہیں نے تمھیں۔ آواز پھر ابھری۔ طافو خوف زدہ ہو گیا۔ وہاں دُور دُور تک سناٹا چھایا ہوا تھا۔ بس تھوڑی دُور پر کرمو چاچا کے بیل چر رہے تھے، مگر وہ تو بول نہیں سکتے تھے۔

" کیا بات ہے بھئی، مجھ سے ڈر گئے۔" آواز نے ہنس کر کہا۔

" کوک، کو ..... کون ہیں ..... تم، نہیں آپ؟" طافو کی زبان ڈر کے مارے ساتھ نہیں دیتی تھی۔

" تم مجھ سے ڈرو نہیں، پھر ہم دونوں مل کر اچھی باتیں کریں گے۔" آواز نے پیار سے کہا تو طافو کی ہمت بڑھی۔ وہ بولا، "مگر اس گاؤں میں تو میرا کوئی دوست نہیں ہے۔ جمو، شامو، طاہر، اسلم، سب کی مجھ سے کُٹّی ہے۔ وہ مجھ سے بات نہیں کرتے۔ کہتے ہیں تم گندے بچّے ہو۔ پھر آپ میری دوست کیسے بن گئیں؟" طافو نے ایک ہی سانس میں کہا، تو وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی، "بھئی میں تو ہمیشہ سے تمھاری دوست ہوں، مگر تم نے کبھی مجھے پہچاننے کی کوشش نہیں کی۔" آواز بولی۔

" ہمیشہ سے!" طافو نے حیرانی سے پوچھا۔

" ہاں! ہمیشہ سے، جب سے تم نے ہوش سنبھالا۔"

" مگر میں تو آپ کو نہیں جانتا اور نہ آپ مجھے نظر آتی ہیں؟" آواز بولی، "دیکھو طافو، مجھے دیکھا نہیں جاتا محسوس کیا جاتا ہے اور تم نے مجھے کبھی محسوس کرنے کی کوشش ہی نہیں کی۔" طافو نے پوچھا، "اچھا! تعجب ہے، ویسے آپ بول کہاں سے رہی ہیں؟" آواز نے کہا، "میں؟ اچھا یُوں سمجھ لو کہ میں اِس برگد کے درخت میں سے بول رہی ہوں، جو تمھارے پیچھے ہے۔" یہ سُن کر طافو خوشی سے بولا، "اچھا تو آپ درخت رانی ہیں؟" اسے اپنی ماں کی سنائی ہوئی کہانی یاد آ گئی۔ جس میں ایک درخت رانی شہزادے کے پاس آتی تھی۔

" ہاں میں درخت رانی ہوں۔" آواز ہنس کر بولی۔

"پھر تو میں شہزادہ ہوا"۔ طافو نے فخر سے سینہ پھلایا۔

"ہاں طافو، جب تک میں تمھارے ساتھ ہوں تم بہت دولت مند اور امیر رہو گے۔ دنیا کا سارا سکون تمھارے قدموں میں ہوگا، مگر ایک بات یاد رکھنا، جس دن تم نے جھوٹ بولا، چوری کی، کسی کا دِل دُکھایا، اُس دن میں مرجاؤں گی"۔

"نہیں، نہیں، درخت رانی ایسا نہ کہو، میں آج تک چوریاں کرتا رہا۔ جھوٹ بولتا رہا۔ اپنی ماں کا دل دُکھاتا رہا۔ مگر اب میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ بہت اچھا بچہ بنوں گا۔ کبھی خراب کام نہیں کروں گا"، طافو نے جوش میں تقریر کر ڈالی۔

"شاباش طافو، اب گھر جاؤ اور کل مجھ سے ملنے کے لیے آنا۔ یاد رکھنا نماز پڑھنا اور مدرسے جانا نہ بھولنا"۔

"خدا حافظ درخت رانی"۔ طافو نے ہاتھ ہلایا اور چل دیا۔

طافو ایک غریب کسان کا لڑکا تھا۔ جب وہ سات سال کا تھا تو اس کے باپ کا انتقال ہوگیا تھا۔ اس کی ماں نے لوگوں کے کپڑے سی کر اور اُن کے گھروں میں کام کرکے اپنا اور طافو کا پیٹ پالنا شروع کیا، مگر باپ کی بے وقت موت نے طافو کو احساسِ کمتری میں مبتلا کر دیا اور اس نے مدرسے سے بھاگنا شروع کر دیا۔ مسجد کا نام آتا تو چھُپ جاتا۔ سارا دن کھیتوں اور میدانوں سے پھل چرانا اس کا کام تھا۔ اسی وجہ سے پورا گاؤں اس سے خفا تھا۔ لوگوں نے طافو سے شفقت سے بات کرنا چھوڑ دی اور لڑکوں نے اس سے دوستی ختم کر لی۔

مگر اب درخت رانی نے اس کے اندر انقلاب برپا کر دیا تھا۔ اب وہ پابندیِ وقت سے نماز پڑھتا، مدرسے جاتا، سبق یاد کرتا اور ماں کا کہنا مانتا۔

پورا گاؤں حیران تھا کہ اس لڑکے کو پلک جھپکتے کیا ہوگیا۔ اب سب اس کے دوست تھے۔ طافو اپنی نئی زندگی سے بہت خوش اور مطمئن تھا۔ وہ روز شام کو درخت رانی کے پاس جاتا اور پورے دن کے اچھے کام سُناتا۔ درخت رانی اُس سے اتنی اچھی اچھی باتیں کرتی کہ وہ اس کے دل پر نقش ہوجاتیں۔

پھر طافو نے میٹرک کا امتحان دیا۔ ان دنوں اس نے اتنی محنت کی کہ بعض اوقات وہ کھانا کھانا تک بھول جاتا، مگر اس عالم میں بھی جو چیز اسے یاد رہتی وہ تھی درخت رانی۔

جب میٹرک کا نتیجہ نکلا تو طافو پورے ضلع میں اوّل آیا تھا۔ خوشی سے اُس کی ماں کی باچھیں کھِل گئیں۔ طافو تو بہت خوش تھا۔ وہ پورا دن اُس نے درخت رانی سے باتیں کرتے ہوئے گزار دیا۔ وہ شام کو گھر پہنچا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ اس کے گھر زمین دار جی بیٹھے ہوئے ہیں۔ اس کی حیرانی کو دیکھ کر وہ مسکرائے اور بولے، "بیٹا طفیل بخش، تو پورے ضلع میں اوّل آیا ہے۔ ہمارے گاؤں کی ناک اونچی ہوگئی۔ میں چاہتا ہوں کہ تُو شہر جاکر ڈاکٹر بنے اور ملک و قوم کی خدمت کرے۔"

"م۔ مگر زمیں دار جی ....." وہ ہکلایا۔

"دیکھ میرے چاند، انکار مت کر، میرا کوئی بیٹا ہوتا تو وہ میرا خواب پورا کرتا۔ تُو اس قابل ہے کہ میرا ارمان پورا کرے۔ تُو شہر ضرور جائے گا۔ رُپے پیسے کی فکر نہ کر۔ اللہ کا دیا سب کچھ ہے میرے پاس۔ اچھا! میں چلتا ہوں کل سوچ سمجھ کر جواب دینا۔" یہ کہہ کر وہ کھڑے ہوگئے۔ "اچھا خدا حافظ۔"

دوسرے دن طافو درخت رانی کے پاس پہنچا۔ درخت رانی بولی "مبارک ہو طافو، اب تم ڈاکٹر بنو گے۔"

طافو سر جھکا کر بیٹھ گیا اور کہنے لگا، "درخت رانی، میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کیا کروں؟ میں تمھیں چھوڑ کر نہیں جا سکتا۔"

"دیکھو طافو، وقت سے فائدہ اُٹھانا سیکھو، جو لوگ وقت کو ضائع کرتے ہیں۔ وہ درحقیقت خود کو ضائع کرتے ہیں۔ موقع بار بار نہیں ملتا۔ ابھی قسمت کی دیوی تم پر مہربان ہے۔ تم ڈاکٹر بننے جاؤ۔ میں تمھارے ساتھ رہوں گی، تم سے جُدا نہیں ہوں گی۔"

درخت رانی نے اسے پیار سے سمجھایا۔ تو وہ واپس گھر کی طرف روانہ ہوگیا۔

دوسرے دن طافو اپنا کپڑوں کا صندوق تیار کر کے زمین دار جی کی حویلی پہنچ گیا۔

"میں نے فیصلہ کرلیا ہے زمیں دار جی، میں آپ کے حکم کے مطابق شہر ضرور جاؤں گا۔" اس نے دمکتے ہوئے چہرے کے ساتھ کہا۔

"اللہ تمھاری حفاظت کرے میرے بچے، میں ابھی تمھارے جانے کا انتظام کرتا ہوں۔" وہ خوش ہوکر بولے۔ طافو پھر درخت رانی سے ملنے گیا۔ وہاں پہنچ کر وہ چند لمحے درخت کو دیکھتا رہا پھر بھرّائی ہوئی آواز میں کہا، "خدا حافظ درخت رانی۔"

"جاؤ طافو، اللہ کا نام لے کر جاؤ۔ اِن شا اللہ کام یاب لوٹو گے۔" درخت رانی نے سنجیدہ لہجے میں

کہا۔

طافو کو شہر میں صرف پڑھائی کا دھیان رہ گیا تھا۔ اُس نے پوری محنت سے پڑھا۔ اس نے کئی سال شہر میں گزارے۔ اب وہ ایک مکمّل انسان بن چکا تھا۔

وہ بہت خوش تھا۔ اس نے روانگی سے پہلے گاؤں اطلاع کر دی اور جانے کی تیاریاں کرنے لگا۔

وہ گاؤں پہنچا تو اُس کا نہایت شان دار استقبال کیا گیا۔ وہ سب کی مبارک بادیاں، دعائیں اور خلوص لے کر گھر پہنچا۔ ماں کے پاؤں چھوئے اور تھوڑی دیر بعد وہ تیز تیز قدموں سے کرموچاچا کے کھیت کی طرف روانہ ہوگیا۔ وہ کھیت جہاں برگد کا درخت تھا، جہاں درخت رانی رہتی تھی، مگر اُس کے قدم رُک گئے۔ جہاں درخت تھا وہاں تو اب کچھ بھی نہیں تھا۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھتا رہا۔ اچانک اسے اپنے پر کسی کے ہاتھ کا دباؤ محسوس ہوا۔ وہ مُڑا تو سامنے کرموچاچا کھڑے تھے۔

"کرموچاچا، آپ نے وہ درخت کٹوا دیا؟" طافو دیوانوں کی طرح بولا۔

"کون سا درخت بیٹا؟" کرموچاچا حیرانی سے بولے۔

"وہ برگد کا درخت، جو یہاں تھا۔" اس نے اشارہ کیا۔

"برگد کا درخت۔ وہ بھی یہاں؟" کرموچاچا حیرانی سے بولے، "نہیں بیٹا، میرے کھیتوں میں تو برگد کا درخت کبھی تھا ہی نہیں۔" انھوں نے بتایا اور بکریاں ہانکتے ہوئے آگے بڑھ گئے۔

طافو وہیں زمین پر بیٹھ گیا۔ اچانک اس کی نظر سفید چھوٹے سے پانچ پتّیوں والے پھول پر پڑی، جو ایک ننّھے سے پودے میں ٹھیک اسی جگہ کھلا ہُوا تھا جہاں برگد کا درخت تھا۔

طافو کو لگا جیسے پھول لہک لہک کر گا رہا ہو:

"میں کوئی جسم تو نہیں، جو تُو مجھے دیکھے۔ میں تو تیرے ضمیر کی آواز ہوں، جسے تُو نے محسوس کیا۔ تُو مجھے کہاں ڈھونڈتا ہے۔ مجھے اپنے اندر تلاش کر۔ میں درخت رانی نہیں، تیرے ضمیر کی آواز ہوں۔"

طافو کو یُوں لگا جیسے اس کے اندر ٹھنڈک پھیل گئی ہو۔ اس نے احتیاط سے پھول توڑ کر اپنے کوٹ کے کالر میں لگایا، اٹھا اور مسکراتا ہوا گھر روانہ ہوگیا۔

ڈاکٹر طفیل بخش درخت رانی کی حقیقت کو پا کر بے حد خوش تھا۔

گڈو کی امی کی خبر لینے جا رہی ہوں۔ اُنھوں نے کیا سمجھ کر آپ کو چاند کہا۔
ارے تمھیں غلط فہمی ہوئی ہے بیگم! اُنھوں نے مجھے نہیں، بلکہ پپو کو چاند کا ٹکڑا کہا ہے۔

ابّو! یہ آئینہ راشد نے توڑا ہے۔
جی نہیں، قصوروار باجی ہیں۔ ان سے پوچھیں، میں جب اُنھیں پتھر مار رہا تھا تو وہ آئینے کے سامنے سے کیوں ہٹ گئیں؟

چوہے کا بیاہ

پنجابی لوک کہانی

سید غلام جیلانی

ایک بار کا ذکر ہے کہ ایک چوہا دانا دُنکے کی تلاش میں اپنے بِل سے بہت دُور نکل گیا۔ آخر ایک جگہ اسے کچھ اناج کے دانے ملے۔ وہ کھا رہا تھا کہ اتنے میں بارش آگئی۔ بارش سے بچنے کے لیے کوئی جگہ نہ پاکر اس نے جلدی جلدی اپنے تیز ناخنوں سے کھود کر ایک سوراخ بنا لیا اور اس کے اندر آرام سے بیٹھ گیا۔

چوہا جب مٹی کھود رہا تھا تو اسے ایک سُوکھی سی لکڑی مِلی۔ چوہا کسی چیز کو ضائع کرنے کا عادی نہیں تھا اس لیے اس نے لکڑی کے اس سُوکھے ٹکڑے کو اپنے پاس بہ حفاظت رکھ لیا اور بارش رُکنے کے بعد جب وہ اپنے گھر کی طرف چلا تو لکڑی کے اس ٹکڑے کو بھی دانتوں میں دبائے پانی سے بچتا ہوا پھُدک پھُدک کر چلنے لگا۔ تھوڑی دُور گیا تھا کہ راستے میں اس کی نظر ایک شخص پر پڑی۔ وہ آدمی جو بہت غریب معلوم ہوتا تھا ایک چولھے کے پاس بیٹھا آگ جلانے کی کوشش کر رہا تھا۔ دھوئیں سے اس کی آنکھوں سے پانی جاری تھا۔ چہرہ پھونکتے پھونکتے سُرخ ہو گیا تھا، مگر لکڑی بھیگی ہوئی تھی اور سُلگنے کا نام نہ لیتی تھی۔ پاس ہی چھوٹے چھوٹے کئی بچے بھوک سے بِلک بِلک کر رو رہے تھے۔ چوہے نے قریب جاکر اس شخص سے دریافت کیا "ارے بھئی یہ کیسا شور ہے۔ بچے کیوں رو رہے ہیں۔ کیا ہوا؟" غریب آدمی نے جواب دیا "بچے بھوک سے بِلبلا رہے ہیں، مگر لکڑی ہے کہ سُلگتی ہی نہیں۔ کردں تو کیا کروں۔"

"بس اتنی سی بات ہے؟" چوہا خلوص کا مظاہرہ کرتے ہوئے مسکرایا "لو۔ یہ لو۔ یہ لکڑی کا ٹکڑا بالکل سُوکھا ہوا ہے، اِس سے فوراً آگ سُلگ جائے گی۔"

غریب آدمی سُوکھی لکڑی لے کر بہت خوش ہوا اور شکریہ ادا کرتے ہوئے چوہے کے احسان کا

بدلا دینے کے لیے گوندھے ہوئے آٹے کا ایک پیڑا اُسے پیش کیا۔ آٹے کا پیڑا لے کر چوہا خوش خوش آگے چل پڑا۔ اس نے دل ہی دل میں سوچا، واہ! واہ!!! میں جتنا خوش قسمت ہوں اتنا ہی چالاک بھی ہوں۔ کیسا اچھا سودا کیا ہے۔ ایک سوکھی سڑی لکڑی کی ڈنڈی کے بدلے اتنا بڑا لقمہ حاصل کیا ہے جو مجھے ایک ہفتے کے لیے کافی ہوگا۔ کیا کہنے ہیں! اسے کہتے ہیں ذہانت!

چلتے چلتے چوہے کا گزر ایک کمھار کے آنگن کے قریب ہوا۔ وہاں پہنچ کر وہ کیا دیکھتا ہے کہ کمھار کا برتن بنانے کا پہیا گھوم رہا ہے۔ اور کمھار پہیّا چھوڑ کر پاس ہی تین بچوں کو بہلانے میں مصروف ہے۔ بچے ہیں کہ واویلا کر رہے ہیں اور کسی طرح چُپ نہیں ہوتے۔

چوہے کے دل میں پھر تجسس پیدا ہوا۔ اس نے شور کی وجہ سے اپنے پنجوں سے کان بند کیے اور کُمھار کے قریب جا کر یُوں مخاطب ہوا، "یہ کیا شور مچایا ہوا ہے؟ یہ بچے کیوں چلّا رہے ہیں؟"

کُمھار نے جواب دیا، "یہ بچے بھوک سے رو رہے ہیں۔ ان کی ماں آٹا لانے بازار گئی ہے اور اب ان کے شور کی وجہ سے نہ میں کام کر سکتا ہوں نہ سکون سے بیٹھ سکتا ہوں۔"

"بس اتنی سی بات؟" چوہا مسکرایا، "پھر تو میں تمھاری مدد کر سکتا ہوں۔ یہ آٹے کا پیڑا لو اور جلدی سے ان بھوکے بچوں کو روٹی پکا کر دو تاکہ ان کے مُنھ بند ہوں۔"

کُمھار نے چوہے کا بے حد شکریہ ادا کیا اور آٹے کے عوض اسے ایک مضبوط اور اچھی طرح پکی ہوئی مٹی کا ایک پیالہ تحفے کے طور پر دیا۔ پیالہ لے کر چوہا اور بھی خوش ہوا۔ اب وہ اکڑ کر چلنے لگا۔ دُم کو لپیٹ کر ایک کندھے پر رکھ لیا۔ پیالے کو کبھی کبھی وہ پنجے سے بجاتا "ٹن ٹنن۔ ٹن ٹنن۔" آواز سن کر وہ دل میں اور بھی خوش ہوتا اور کہتا، واہ، واہ! میں بھی کتنا ہوشیار ہوں۔"

چلتے چلتے چوہے کو ایک جگہ کئی چرواہے ملے جو اپنے ریوڑ کی نگرانی کر رہے تھے۔ ان میں ایک چرواہا بھینس دُوہ رہا تھا، مگر اس کے پاس کوئی برتن نہ تھا۔ اس لیے وہ ایک جوتے میں دودھ جمع کر رہا تھا۔ چوہے کے صفائی پسند مزاج کو یہ برداشت نہیں ہوا۔ اس نے آگے بڑھ کر چرواہے سے کہا "توبہ توبہ یہ کیا طریقہ ہے دُودھ دوہنے کا۔ تم برتن کیوں نہیں استعمال کرتے؟"

چرواہے کو ایک ننّھے سے جانور کا دخل دینا ناگوار گزرا۔ اس نے بُرا سا مُنھ بنا کر جواب دیا، "وجہ ظاہر ہے کہ برتن نہیں ہے۔ ہوتا تو استعمال بھی کرتا۔"

چوہے نے کمھار کی جھنجھلاہٹ اور روکھے پن کا کوئی اثر نہیں لیا اور بڑی نرمی سے بولا، "چرواہے

میاں، مجھ پر احسان کرو، میرے اس برتن میں دودھ دوہ لو، مگر خدا کے لیے اس گندگی سے تو بچو۔"

چرواہے نے خوشی سے پیالہ چوہے سے لے لیا۔ جب پیالہ دودھ سے بھر گیا اور دودھ بہنے لگا تو اس نے پیالہ چوہے کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا: "لو چوہے میاں! اپنے پیالے کے بدلے تھوڑا سا دودھ تم بھی پی لو۔"

چوہا یہ سن کر بولا: "نہیں جناب، یہ ممکن نہیں۔ پیالے کی قیمت کے برابر دودھ ایک مرتبہ میں پی جانا میرے لیے ممکن نہیں۔ میں بیمار ہو جاؤں گا۔ دوسرے یہ کہ ایسا خسارے کا سودا میں نہیں کرتا۔ کم سے کم اس کے بعوض یہ بھینس مجھے دے دو تو ایک بات ہے۔"

"کیا کہا؟ ایک لُٹیا کے بدلے بھینس؟" چرواہا حیرت سے بولا: "کسی نے آج تک ایسا نہیں سنا۔ پھر سوال یہ ہے کہ لُٹیا ہی سنبھالنا تمھارے لیے مشکل ہو رہا تھا بھینس لے کر تم کیا کرو گے؟"

چوہے کو یہ طعنہ بہت بُرا لگا۔ وہ تن کر بولا: "یہ میرا معاملہ ہے میں جو کروں۔ تمھیں اس سے مطلب؟ تم بھینس دے دو پھر میں جانوں اور میرا کام۔"

چوہے کی بات سن کر چرواہوں کو مذاق سوجھا ——— وہ بھینس کی رسی کھول کر چوہے کی دُم میں باندھنے لگے۔ چوہا گھبرا کر بولا: "نہیں، نہیں، دُم میں نہیں۔ اگر بھینس نے کھینچا تو میری

دُم چھل جائے گی۔ اسے میرے گلے میں باندھ دو۔"

چرواہوں نے ہنستے ہنستے رسی چوہے کے گلے میں باندھ دی اور چوہا چرواہوں سے رخصت ہوا۔ تھوڑی دُور چلنے کے بعد جیسے ہی بھینس کے گلے کی رسی کھنچی چوہا ایک جھٹکے کے ساتھ پیچھے کی طرف اُلٹ کر جا پڑا۔ وہ قلابازی کھا کر اُٹھا تو دیکھا کہ بھینس گھاس چرنے میں مصروف تھی اور اسے کسی طرح چھوڑنے کو تیار نہ تھی۔ پھر وہاں سے بھینس کی نظر تھوڑی دور پر ایک اور جگہ گھاس پر پڑی اور اُس نے اُدھر کا رُخ کیا۔ چوہے نے جب اور کوئی راستہ نہ دیکھا تو خود ہی بھینس کی مرضی کے مطابق مڑنا شروع کر دیا۔ چرواہے تماشا دیکھ رہے تھے۔ اِن کی طرف دیکھ کر چوہے نے ہاتھ ہلا کر کہا "ٹاٹا! بھینس ابھی نئے مالک کے پاس آئی ہے۔ ابھی اسے سدھانا ہے، اس لیے اس کے ساتھ ساتھ چل رہا ہوں۔ رفتہ رفتہ ٹھیک ہو جائے گی۔ دوسرے یہ کہ مجھے گھر پہنچنے میں دیر تو ہوگی مگر راستہ سایہ دار ہے۔ آرام رہے گا۔"

چرواہوں نے زوردار قہقہہ لگایا مگر چوہا سُنی اَن سُنی کر کے کوئی پروا کیے بغیر سینہ فخر سے تان کر آگے بڑھتا گیا۔ وہ دل میں سوچنے لگا کہ جب کوئی بھینس پالتا ہے تو اس کے چَرانے کا بھی تو انتظام کرنا پڑتا ہے، چوں کہ اگر وہ پیٹ بھر کر گھاس نہیں کھائے گی تو دودھ کیسے دے گی اور مجھے گھر پہنچنے کی کوئی ایسی جلدی بھی نہیں ہے۔ آخر دیر سویر پہنچ ہی جائیں گے گھر ہی تو جانا ہے۔

چوہا اسی طرح بھینس کے ساتھ ساتھ سارا دن چلتا رہا، مگر اس انداز سے جیسے وہ بھینس کو ساتھ لے کر چل رہا ہو۔ شام تک وہ بالکل تھک چکا تھا اس لیے جب سارا دن گھاس چر کر پیٹ بھر لینے کے بعد آخر بھینس ایک درخت کے سائے میں جگالی کرنے بیٹھی تو اس نے اطمینان کا سانس لیا۔ تھوڑی دیر بعد اس طرف سے ایک بارات گزری۔ سارے باراتی دُولھا سمیت دُور آگے تقریباً دوسرے گاؤں پہنچ چکے ہوں گے تب کہیں جا کے دُلھن کی پالکی نظر آئی۔ تھکے ہارے چار کُہار پالکی اٹھائے ہوئے آہستہ آہستہ چل رہے تھے اور جب درخت کے نیچے پہنچے تو انھوں نے پالکی کندھوں سے اُتار کر زمین پر رکھ دی اور کھانا پکانے کا انتظام کرنے لگے۔ آس پاس سے لکڑیاں اکٹھی کر کے کُہاروں نے آگ جلائی اور ہانڈی چولھے پر چڑھاتے ہوئے ان میں سے ایک منھ بسور کر کہنے لگا "کتنی ذلیل حرکت ہے۔ اتنی دھوم دھام سے شادی مگر ہمیں کھانے کو صرف اُبلے چاول، پھیکے پَٹ، نہ گوشت نہ سالن، بس چلے تو دُلھن کو کسی گڑھے میں پالکی سمیت

پھینک دیں تاکہ اِن کنجوسوں کا مزاج ٹھکانے آئے۔"

چوہا یہ سُن کر فوراً بول اٹھا، "نہایت افسوس کی بات ہے کہ تمھارے ساتھ ایسا بُرا برتاؤ کیا گیا مجھے تم لوگوں پر ترس آتا ہے۔ جی چاہے تو میری یہ بھینس لو۔ اِسے ذبح کر کے اس کا گوشت پکا ڈالو اور پھر مزے لے کر کھاؤ۔"

"تمھاری بھینس؟" تھکے ماندے کمھاروں نے جھنجھلا کر کہا، "آج تک بھلا کسی نے چوہے کو بھینس پالتے سُنا ہے!"

"درست ہے عام طور پر ایسا دیکھنے میں نہیں آتا،" چوہے نے اطمینان سے ان کی بات سُن کر جواب دیا، "مگر تم خود دیکھو کہ میں بھینس کو رسّی سے باندھ کر لے جا رہا ہوں۔"

کمھاروں میں سے ایک جو سب سے موٹا تازہ اور شاید زیادہ ہی بھوکا تھا بات کاٹ کر بولا، "چھوڑو یہ سوال کہ بھینس کا مالک کون ہے اور کون کِسے رسّی سے باندھے ہوئے ہے۔ مجھے کھانے میں گوشت چاہیے۔" اس فیصلے کے بعد کمھاروں نے مِل کر بھینس ذبح کی اور اس کا گوشت پکا کر خوب سیر ہو کر کھایا۔ کھا پی چکنے کے بعد کمھاروں نے بچے کھچے چاول چوہے کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا، "لو میاں چوہے یہ تمھارے لیے ہے۔ تم کھا لو۔" چوہا تن کر کھڑا ہو گیا اور بولا، "دیکھو اور غور سے

سنو۔ نہ مجھے تمھارے چاول چاہییں، نہ تمھارا سالن۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ صرف اتنے سے چاول اور سالن کے عوض میں نے تمھیں اپنی اتنی اچھی سیروں دودھ دینے والی بھینس دے ڈالی ہے، جسے میں نے خود سارا دن چرایا اور ابھی وہ سستانے بیٹھی تھی کہ تم آپہنچے۔" اتنا کہہ کر چوہا دم لینے کے لیے رکا۔ کمھار چُپ سُن رہے تھے۔ پھر چوہے نے بات جاری رکھی، "نہیں، نہیں، میں نے لکڑی کے ٹکڑے کے عوض روٹی لی۔ روٹی کے بدلے مٹی کا برتن لیا۔ مٹی کا برتن دے کر بھینس لی۔ اب مجھے بھینس کے عوض دلھن چاہیے۔ دلھن کا سودا کرنا پڑے گا۔ اس سے کم کوئی چیز میں ہرگز نہیں لوں گا۔"

اب جب کہ کمھاروں نے پیٹ بھر کر کھانا کھا لیا تھا۔ اور بہت دیر ہو گئی تھی، اس لیے انھیں ڈر ہوا کہ اتنی دیر دلھن کا ڈولا نہ پہنچنے کی وجہ سے کہیں ان کو ڈانٹ نہ کھانی پڑے۔ اس لیے وہ ڈر سے دلھن کے ڈولے کو وہیں چھوڑ کر چل دیے۔ کمھاروں کے جانے کے بعد چوہے نے چاروں طرف دیکھا اور خود کو دلھن کے ڈولے کا مالک سمجھتے ہوئے سنجیدگی کے ساتھ ڈولے کی طرف بڑھا اور پردے کو ہٹاتے ہوئے بڑی متانت کے ساتھ دلھن سے باہر آنے کی فرمائش کی۔ دلھن کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ ہنسے یا روئے، مگر اس سنسان جگہ اور تنہائی میں چوہے کی موجودگی کو بھی اس نے غنیمت جانا اور چوہے کے کہنے کے مطابق ڈولی سے اتر کر اس کے پیچھے ہولی۔ اب چوہے کی خوشی کی انتہا نہ تھی۔ وہ سینہ تانے تیز تیز قدم رکھتا ہوا اپنے بل کی طرف چلا۔ دلھن اس کے پیچھے چل رہی تھی۔ اس نے دلھن پر ایک نظر ڈالی اور اس کا حسن، قیمتی زیور اور جوڑے کو دیکھ کر اندازہ لگا لیا کہ وہ کوئی شہزادی تھی۔ اب وہ دل میں سوچنے لگا، "میں بھی کتنا ہوشیار ہوں۔ کیسے کیسے سودے کرتا ہوں۔ نفع ہی نفع۔"

آخر چوہا اپنے بل کے پاس آپہنچا اور دلھن سے نہایت نرمی سے مخاطب ہو کر بولا "محترمہ، میں اپنے حقیر گھر میں آپ کو خوش آمدید کہتا ہوں۔ اندر تشریف لائیے۔ اندر ذرا اندھیرا ہے۔ میں آپ کو راستہ دکھاتا ہوں۔" یہ کہہ کر وہ دوڑ کر اندر گھس گیا، مگر جب اس نے دیکھا کہ دلھن اندر نہیں آئی تو اپنی ناک باہر نکال کر مونچھوں پر تاؤ دے کر ذرا تیزی سے کہنے لگا، "بیگم صاحبہ، آپ آتی کیوں نہیں؟ آپ جانتی نہیں کہ اپنے شوہر کو اس طرح انتظار کرانا بے ادبی ہے۔"

"جناب اس سوراخ میں اپنے آپ کو سمیٹ کر داخل کرنا میرے لیے ممکن نہیں ہے۔" دلھن مسکراتے ہوئے، مگر نرمی سے بولی۔

"تمھاری بات میں وزن ہے۔" چوہا گلا صاف کرتے ہوئے کہنے لگا "تم ذرا بے ڈھنگے قدوقامت کی ہو۔ خیر آج رات وہ سامنے والے جھربیری کے پیڑ کے نیچے آرام کرو کل تمھارے لیے پتّے جمع کر کے درخت کے نیچے ایک جھونپڑی ڈال دوں گا۔"

"مگر میں بہت بھوکی ہوں۔" دلھن منھ بسور کر کہنے لگی۔

چوہا بولا "ارے رے، آج کیا بات ہے کہ جیسے دیکھو بھوکا ہے۔ خیر کوئی بات نہیں، میں ابھی انتظام کرتا ہوں۔" یہ کہہ کر وہ بِل میں گیا اور وہاں سے کچھ جوار کے دانے اور خشک مٹر کا ایک دانہ لا کر دلھن کے سامنے رکھا اور فاتحانہ انداز میں کہنے لگا، "دیکھو کتنا اچھا کھانا ہے۔"

"میں یہ نہیں کھا سکتی۔" دلھن منھ بناتے ہوئے کہنے لگی "یہ تو ایک نوالہ بھی نہیں ہوگا۔ اور مجھے تو پلاؤ، شیرمال، قورمہ اور رنگ برنگ

کی مٹھائیاں چاہییں۔ یہ سب چیزیں نہ ملیں تو میں زندہ نہیں رہ سکتی۔"

چوہے کو یہ سن کر بڑا تاؤ آیا۔ وہ غصّے سے بولا" واقعی بیوی بھی ایک مصیبت ہوتی ہے۔ خیر ایسا ہی ہے تو تم جنگلی بیر کیوں نہیں کھاتیں؟"

"میں جنگلی بیر کھا کر تو پیٹ نہیں بھر سکتی بلکہ کوئی بھی ایسا نہیں کر سکتا۔ اور پھر یہ بیر پکے ہوئے بھی تو نہیں ہیں۔"

"واہیات، بالکل واہیات،" چوہے نے ڈانٹ کر کہا،" جو بھی ہوں کچّے ہوں یا پکّے آج رات تو تمھیں ان کو ہی کھا کر گزارا کرنا ہے۔ چاہے کھاؤ چاہے بھوکی رہو۔ کل صبح اُٹھ کر پکّے پکّے توڑ کر ایک ٹوکری بھر جمع کر لینا اور پھر انھیں شہر میں جا کر بیچ کر جو پیسے ملیں ان سے اپنی مرضی کے مطابق جی بھر کے مٹھائیاں اور کھانے خرید لینا۔"

خیر رات تو دُلھن نے جوں توں گزاری، صبح ہوتے ہی چوہا جھر بیری پر چڑھ گیا اور بیروں کی ڈنڈیوں کو کترنے لگا۔ بیر جھڑ جھڑ کر دلھن کے آنچل پر گرنے لگے۔ دلھن نے کچّے پکّے سارے بیر جمع کیے اور شہر کی طرف چل دی۔ شہر میں جا کر وہ گلیوں میں گھوم گھوم کر آواز لگانے لگی" کچّے پکّے بیر، کچّے پکّے بیر۔ راجا کی بیٹی چوہا لے گیا گھیر۔"

جب آواز لگاتی ہوئی وہ شاہی محل کے قریب سے گزری تو ملکہ کو جانی پہچانی آواز سُن کر تعجب ہوا۔ وہ جھروکے کے پاس آئی اور جب اس نے دیکھا تو اپنی بیٹی کو پہچان گئی اور اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔ ملکہ نے فوراً شہزادی کو محل میں بلایا اور ہر طرف خوشیاں منانے کا اعلان کر دیا گیا، چوں کہ دلھن کے غائب ہو جانے کے بعد لوگوں نے سمجھ لیا تھا کہ جنگل میں شیر یا دوسرے درندوں نے دلھن اور کہاروں کو مار کر کھا لیا ہوگا۔

اِدھر جشن منایا جا رہا تھا۔ اُدھر چوہے نے، جو مناسب فاصلہ رکھتے ہوئے دُلھن (یعنی شہزادی) کے پیچھے پیچھے آ رہا تھا جب دیکھا کہ دلھن کو محل کے اندر گئے بہت دیر ہو گئی اور وہ باہر نکلتی ہی نہیں تو وہ محل کے پھاٹک پر آیا اور ایک موٹی سی لکڑی لے کر دروازے کو زور زور سے پیٹ کر غصّے سے چلّانے لگا،" میری بیوی واپس دو۔ میری دلھن واپس کرو۔ میں نے باضابطہ سودا کر کے اُسے حاصل کیا ہے۔ وہ میری ہے۔ میں نے لکڑی دے کر روٹی لی، روٹی دے کر مٹی کا برتن لیا، برتن دے کر بھینس لی اور بھینس دے کر دلھن لی ہے۔ لاؤ میری بیوی مجھے دو۔"

ملکہ نے چوہے کی باتیں چپ چاپ کر سنیں۔ وہ بڑی عقلمند تھی۔ اسے ایک ترکیب سوجھی، چناں چہ اس نے کھڑکی سے جھانک کر چوہے کو تسلی دیتے ہوئے کہا "ارے، ارے دولھا میاں، کیا ہوا؟ ذرا سی بات پر اتنی خفگی۔ بیٹے، دلھن آپ کی ہے۔ اسے آپ سے کون چھین رہا ہے۔ بس آپ کے استقبال کے لیے تیاری کرنے میں ذرا دیر ہو رہی ہے، اس لیے آپ کو باہر انتظار کی زحمت دی گئی ہے۔ ذرا ٹھہریے۔ ابھی بلواتی ہوں۔" چوہے کی سمجھ میں بات آگئی اور اس نے مسکرا کر سر جھکا لیا۔ وہ دل میں بہت خوش تھا۔ ادھر چالاک ملکہ نے ایک چھوٹی سی خوب صورت پیڑھی لے کر اس کے بیچوں بیچ ایک بڑا سا گول سوراخ کروایا۔ پھر صحن کے درمیان میں ایک پتھر آگ میں سرخ کرا کر رکھا۔ پتھر کو پتیلی اُلٹ کر ڈھک دیا اور اس پر پیڑھی بچھوائی۔ اب گرم پتھر پیڑھی کے سوراخ کے ٹھیک نیچے تھا۔ پیڑھی کے چاروں طرف زردوزی کا کام کی ہوئی سرخ مخملی چادر بچھوادی۔ جب یہ ساری تیاریاں مکمل ہوگئیں تو ملکہ خود پھاٹک تک چوہے کے استقبال کے لیے آئی اور چوہے کو اپنے ساتھ محل کے صحن میں لے جا کر پیڑھی پر بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے بولی، "دولھا میاں، آیئے اس خاص نشست پر بیٹھیے یہ سارے لوگ آپ کو دیکھنے کے لیے چاروں طرف جمع ہیں۔"

چوہا بڑے ٹھسّے سے آہستہ آہستہ قدم رکھتا پیڑھی کی طرف بڑھ رہا تھا اور دل میں سوچ رہا تھا۔ "واہ رے میری چالاکی۔ کیا ہوشیاری کا سودا کیا ہے۔ ایک جیتی جاگتی۔ سچ مچ کی ملکہ کا داماد بن بیٹھا۔ اب میرے احباب دیکھیں گے تو ان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔"

اس طرح سوچتا ہوا وہ پہلے آہستہ سے پیڑھی کے کنارے پر بیٹھا، مگر تھوڑی ہی دیر میں وہ گرمی سے بے چین ہونے لگا۔ آخر وہ پہلو بدلتے ہوئے ملکہ سے بولا "امی جان آپ کا گھر بہت گرم ہے۔ جو چیز چھوتا ہوں آگ کی طرح گرم محسوس ہوتی ہے۔"

"بیٹے دراصل آپ بہت چل کر آئے ہیں۔ آپ کا سانس پھول گیا ہے۔" ملکہ نے چمکارتے ہوئے کہا "ذرا کھسک کر پیڑھے کے بیچ میں آرام سے بیٹھیے۔ ذرا سی دیر میں ٹھنڈک محسوس ہونے لگے گی۔"

مگر چوہا ملکہ کے کہنے کے مطابق پیڑھی کے بیچ میں جیسے ہی گیا کہ آگ سے جلتی ہوئی پتیلی کی پشت پر گرا۔ اور آن کی آن میں اس کے جسم کے آدھے بال اور ساری دُم جل گئی بلکہ تھوڑی سی کھال بھی پتیلی کے ساتھ چپک کر رہ گئی۔ آخر کسی طرح جان بچا کر اُچھلتا کودتا تکلیف سے چلاتا ہوا بھاگا۔

اس دن سے چوہے نے عہد کیا کہ پھر کبھی اس طرح سودے بازی نہیں کرے گا۔

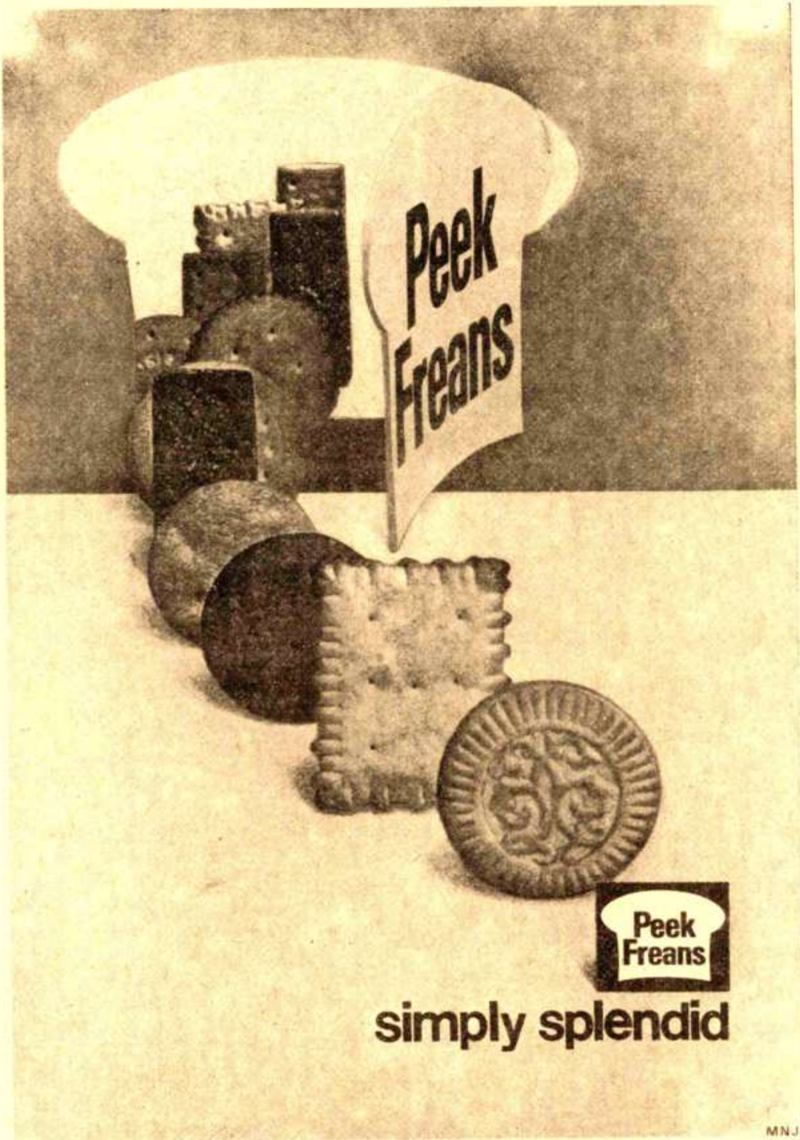

MNJ

طبّ کی روشنی میں

کان میں مسّا

س : عمر ۱۶ سال۔ میرے کان میں مسّا نکلا ہے۔ برائے مہربانی کوئی علاج بتائیں ؟ (اظہر علی منگی، سکھر)

ج : کان تو بڑی چیز ہے۔ بیرونِ کان مسّا ہے یا کان کے درمیانی یا اندرونی حصے میں ہے ؟ دیکھے بغیر صحیح فیصلہ نہیں ہو سکتا۔ بہ ظاہر اس کے لیے جراحت (سرجری) کا سہارا لینا چاہیے۔

بلغم آتا ہے

س : عمر ۱۴ سال ہے۔ مجھے بلغم بہت آتا ہے، میں جب بھی کوئی میٹھی چیز کھاتا ہوں تو بلغم آنا شروع ہو جاتا ہے۔ ازراہِ کرم علاج تجویز فرمائیے۔ ع۔م، کنری پاک

ج : بھئی کس حکیم نے آپ کو میٹھی چیزیں زیادہ کھانے کو بتایا ہے۔ یہ حلوائیوں کی مٹھائیاں کھانا کوئی اچھی عادت نہیں ہے۔ ہماری قدرتی غذاؤں میں اس قدر مٹھاس تو ہوتی ہے کہ جسم کی ضرورت پوری ہوتی رہے۔ دراصل یہ حلوے، مٹھائیاں، کیک پیسٹری وغیرہ اضافی شکر ہے جو جسم کی ضرورت سے زیادہ ہوتی ہے، مگر ایک فیشن ہو گیا ہے۔ لوگ دبا کر کھائے چلے جا رہے ہیں۔ بیمار پڑے چلے جا رہے ہیں۔ ہسپتال چلے جا رہے ہیں۔ یہ بھی کوئی طریقہ ہے۔ توبہ!

سُوکھے کی بیماری

س : ازراہِ کرم یہ بتائیں کہ سوکھا پن کیوں ہوتا ہے اور اس کا علاج کیا ہے ؟

محمد الیاس تنویر، لاوہ تحصیل تلہ گنگ

ج : غالباً آپ بچّوں کے سُوکھے کے مرض کے بارے میں معلوم کرنا چاہتے ہیں۔ اس کے بہت سے اسباب ہو سکتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ جب بچہ ماں کے پیٹ میں ہو تو ماں کی غذا قابلِ اطمینان نہ ہو۔ وہ غذا بچے کے نشوونما کے لیے کافی نہ ہو رہی ہو۔ پھر جب بچّہ پیدا ہو جاتے تو اس کے نشوونما کے لیے حیاتین اُسے میسّر نہ آئیں۔

دراصل سُوکھا تو حیاتین کی کمی کا مرض ہے۔ یہ بات تو ننھے بچے کی ہوئی۔ اب اگر آپ نے بات بڑے سوکھے کی کی ہے تو ایک کہاوت ہے، "کھائے بکری کی طرح، سوکھے لکڑی کی طرح" بعض لوگ زیادہ کھا کر بھی سوکھ جاتے ہیں۔

کمر میں درد

س : والدۂ محترمہ کی عمر ۳۰ سال ہے۔ کمر میں درد رہتا ہے۔ ازراہ کرم کوئی علاج بتائیں۔

محمد بابر۔ اظہار احمد، کراچی

ج : محترمہ والدہ صاحبہ کو چاہیے کہ وہ کسی اچھے معالج سے مشورہ فرمائیں۔ دردِ کمر کے بہت سے اسباب ہو سکتے ہیں۔ ایک سطری سوال سے بتائیے میں کیسے سمجھوں؟

جلد پر سفید دھبے

س : مچھلی کھا کر دودھ پینے سے جلد پر سفید دھبے کیوں پڑ جاتے ہیں اور جُذام کی طرح پھیلتے رہتے ہیں اور پورے جسم کی جلد سفید کیوں ہو جاتی ہے؟

روبینہ فرید، کراچی

ج : اب تک یہ بھی یقین نہیں ہے کہ کون سی مچھلی دودھ کے ساتھ مل کر سفید دھبوں (بَرص) کا سبب بن جاتی ہے اور نہ اب تک یہ تحقیق ہوتی ہے کہ خون میں کیا تبدیلیاں ہوتی ہیں کہ جلد کا رنگ خراب ہو جاتا ہے۔ مناسب یہی ہے کہ مچھلی اور دودھ کو ایک ساتھ معدے میں جمع نہ کیا جائے۔

پسلی میں درد

س : عمر ۱۷ سال ہے۔ میری پسلی میں درد ہوتا ہے۔ کافی علاج کرایا، مگر کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ کبھی کبھی اچانک درد شروع ہو جاتا ہے۔ آپ ازراہِ کرم اس مرض کا علاج بتائیے۔

عبدالرحیم، کراچی

ج : میرے بچے! اتنا تو لکھ دیا ہوتا کہ کون سی پسلی؟ دائیں یا بائیں؟ دائیں جانب تو جگر ہوتا ہے اور بائیں جانب تلّی۔ اب اگر پسلی کا درد اوپر سینے میں ہے تو یہ پھیپھڑے کا درد بھی ہو سکتا ہے اور یہ مسئلہ قلب کا بھی ہو سکتا ہے۔ اچھا ہے کہ آپ کسی اچھے معالج کو دکھا دیجیے۔

ناک سے خون آتا ہے

س : مجھے کافی گرمی کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ گرمی کی وجہ سے رات کے وقت، یعنی نیند میں ناک سے خون (نکسیر) بہنے لگتا ہے۔ ازراہ کرم کوئی علاج بتائیں۔

محمد اجمل نعیم، ملتان

ج : حالات سے تو ایسا لگتا ہے کہ آپ نے کسی نانبائی سے دوستی کر لی ہے اور تنور میں روٹیاں ڈال دی

ہیں اور گرمی کا سامنا ہے یا ممکن ہے کہ کسی لُوہار کے ہاں لُوہا تپانا شروع کر دیا ہو۔ اگر یہ دونوں ٹیکنیکل باتیں نہیں ہیں تو پلیز بتائیے کیسی گرمی کا سامنا ہے؟ چلیے چھوڑیئے اب نکسیر کی بات کرتے ہیں، ملتان میں ہمدرد میں جائیے اور اُن سے کہیے کہ وہ آپ کو دوا دیں۔

وی سی ایک قرص، قُرص نفث الدم، ایک عدد، شربت انجبار ۲۴ گرام۔ دونوں ٹکیاں کھا کر اوپر سے شربت پانی میں گھول کر پی لیں۔ ۱۵-۲۰ دن کھائیے، آرام آجائے گا۔

ہاتھ، پاؤں جلتے ہیں

س: عمر ۱۴ سال ہے۔ ہر وقت ہاتھ اور پاؤں جلتے ہیں۔ ایسا لگتا ہے، جیسے ہاتھ اور پاؤں سے آگ نکل رہی ہو۔ ہر وقت ٹھنڈی چیزیں، یعنی آئس کریم اور برف کھانے کو جی چاہتا ہے۔ پاؤں کے بَل پر بیٹھتا ہوں تو بھی ایسا لگتا ہے جیسے آگ نکل رہی ہے۔ کُھلا یا بند جوتا بھی پہنا نہیں جاتا۔ مہربانی فرما کر علاج تجویز کیجیے۔

زبیر احمد شاہد، ملک وال گجرات

ج: مزاج کی یہ بے اعتدالی ہے۔ آپ خشک آلو بخارا چار دانے رات کو پون گلاس پانی میں بھگویا کریں، صبح چمچے سے ہلائیں، گٹھلیاں الگ ہو جائیں گی۔ انھیں پھینک دیں اور پانی پی لیں اس سے یہ کیفیت ختم ہو جائے گی۔

بال گر رہے ہیں

س: عمر ۱۵ سال ہے۔ میرے بال بہت گر رہے ہیں۔ بتائیے میں کیا کروں جس سے میرے بال گرنا بند ہو جائیں۔

سائرہ محبوب، کراچی

ج: سر کی صفائی زیادہ توجہ سے اگر نہ کی جائے تو جلد خراب ہو جاتی ہے اور پھر اس میں خشکی یا سِکری کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے اور بھوسی جمنے اور جھڑنے لگتی ہے۔ ایسی صورت میں بالوں کی جڑیں کم زور ہو جاتی ہیں اور بال گرنے لگتے ہیں۔ اگر خشکی ہے تو پھر اسے دور کرنا چاہیے۔ ہمدرد سے دوائے خارش ۶۰ گرام، روغنِ کمیلا ۶۰ گرام لے لیں۔ دونوں کو ملا لیں۔ رات سوتے وقت یہ تیل پورے سر میں لگائیں۔ صبح سر دھو لیں۔ ایک دو ہفتے میں اس سے فائدہ ہو جائے گا۔

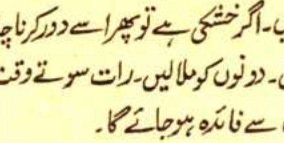

خیال کے پھول

★ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم — آپس میں سلام کیا کرو۔ مرسلہ: سرفراز عارف

★ حضرت ابوبکر صدیقؓ — سب آدمیوں میں بہتر وہ ہے جو سب سے پہلے سلام کرے۔

مرسلہ: مہ جبیں، شکارپور

★ حضرت عثمانؓ — وہ علم بے کار ہے جس پر عمل نہ کیا جائے۔ مرسلہ: شیخ شفیق الرحمٰن، جھنگ

★ حضرت علیؓ — آدمی کی قابلیت اس کی زبان میں پوشیدہ ہے مرسلہ: اسما ذکی، جہلم

★ حضرت حسن بصریؒ — عقل مند سوچ کر بولتا ہے اور بے وقوف بول کر سوچتا ہے۔

مرسلہ: ساجد اللہ، کراچی

★ فیثاغورس — دوستی میں شبہ زہر ہے۔

مرسلہ: محمد مبین انصاری، کراچی

★ سقراط — اللہ نے دو کان بنائے ہیں اور ایک زبان، تاکہ انسان جتنا بولے اس سے زیادہ سنے۔ مرسلہ: سید محمد عمران، کراچی

★ افلاطون — سب سے طاقت ور شخص وہ ہے جو اپنے غصّے پر قابو پا سکے اور سب سے کم زور شخص وہ ہے جو اپنے راز نہ چھپا سکے۔

مرسلہ: محمد مسلم زیب، کشمور

★ شیخ سعدی — علم کے حصول کے لیے شمع کی طرح گھلنا چاہیے۔ علم کے بغیر تو اللہ کو نہیں پہچان سکتا۔ مرسلہ: نازاکمل، کراچی

★ لاک — دولت محنت کا نتیجہ ہوتی ہے مرسلہ: ارم عنبرین، کراچی

★ جبران خلیل جبران — محبت وہ پاک جذبہ ہے جس کی عظمت آسمان اور زمین کی وسعتوں میں پھیلی ہوئی ہے۔

مرسلہ: سید اکبر علی زیدی، کراچی

★ مولانا محمد علی جوہر — جو شخص تحصیلِ علم کی مشکلات برداشت نہیں کر سکتا، اسے جہل کی سختیاں عمر بھر جھیلنی پڑتی ہیں۔

مرسلہ: سہیل اختر، کراچی

★ شیکسپیئر — کام یابی کا دار و مدار تمھاری محنت اور کوشش پر ہے۔

مرسلہ: غلام مصطفیٰ اسولنگی، شکارپور

★ حکیم محمد سعید — خوش رہنے کا راز یہ ہے کہ جو کچھ اور جتنا حاصل ہے اس سے زیادہ کا لالچ نہ کیا جائے۔ مرسلہ: شائستہ حبیب، کراچی

کالی بلا

صلابت نگر کے رہنے والے اس کالی بلا کے ہاتھوں تنگ آ چکے تھے۔ جو اکثر رات کے وقت بستی پر حملہ کر دیتی۔ جس گھر میں کالی بلا داخل ہوتی اس کے رہنے والے تمام لوگ صبح کے وقت زخمی اور بے ہوش پائے جاتے۔ ان کے چہروں پر ایسے نشان ہوتے جیسے کسی جانور نے اپنے پنجوں سے انھیں کھرونچ کر رکھ دیا ہو۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ رات کے وقت بستی میں باہر سے آنے والے مسافروں پر یہ بلا حملہ کر دیتی۔

یہ واقعہ آج سے ساٹھ ستر سال پہلے کا ہے۔ اس زمانے میں موٹریں اتنی عام نہیں تھیں۔ بہت زیادہ امیر لوگوں میں سے صرف چند کے پاس موٹر گاڑیاں ہوتی تھیں، لوگ عام طور پر گھوڑا گاڑیوں میں سفر کرتے تھے جنھیں بگھی کہا جاتا تھا۔ رات کے وقت اگر کوئی شخص اس طرح بگھی میں بیٹھ کر صلابت نگر کی طرف آتا تو کالی بلا ان پر حملہ کر دیتی۔ گھوڑوں کو بھی زخمی کر دیتی اور مسافروں کو بھی۔ جن لوگوں نے اس کالی بلا کو دیکھا تھا ان کا کہنا تھا کہ کالی بلا کی شکل عجیب ڈراؤنی سی تھی۔ چہرہ بھیڑیے اور شیر سے ملتا جلتا تھا، یعنی کان اور سر کا اوپری حصہ بھیڑیے جیسا تھا، لیکن منھ شیر کی طرح چوڑا تھا۔ اس کی لمبی سی دم بھی تھی، لیکن پورا جسم آدمیوں جیسا تھا، البتہ ہاتھوں کی ہتھیلیاں شیر کے پنجوں کی طرح تھیں۔ سر سے پیر تک اس کا رنگ کالا تھا۔ اسے دیکھ کر آدمی ڈر جاتے تھے۔ ایک عجیب بات یہ تھی کہ یہ کالی بلا جس کسی پر حملہ کرتی وہ تو اسے دیکھتے ہی ڈر کے مارے بے ہوش ہو جاتا پھر جب اسے ہوش آتا تو اس کا سارا سامان بھی غائب ہوتا۔ کبھی کبھی تو ایسا بھی ہوتا کہ ان کے قیمتی کپڑے غائب ہو جاتے۔ کالی بلا کے سلسلے میں دوسری عجیب بات یہ تھی کہ لوگوں نے اسے گھوڑے پر بیٹھے بھی دیکھا تھا۔ رات کے وقت صلابت نگر آنے والے مسافروں

کا کہنا تھا کہ ان کی بگھیوں پر جب کالی بلا نے حملہ کیا تھا اس وقت وہ گھوڑے پر سوار تھی۔ اس کے گھوڑے کا رنگ بھی بالکل کالا تھا۔

کالی بلا کے حملوں کے واقعات اتنے زیادہ بڑھ گئے تھے کہ صلابت نگر میں ہر وقت اور ہر جگہ اسی کے متعلق باتیں ہوتی رہتی تھیں۔ وہاں کے رہنے والے کالی بلا کو جن یا بھوت سمجھنے لگے تھے۔ کوئی کہتا کہ اس نے تو کالی بلا پر گولی بھی چلائی تھی، لیکن اس پر گولی کا اثر نہیں ہوا۔ کوئی کہتا کہ اس نے بلا کو برچھے سے مارنے کی کوشش کی تھی، لیکن برچھا اس کے قریب پہنچ کر خود بخود دوسری طرف مڑ گیا۔ کوئی کہتا کہ اس نے کالی بلا کو حملہ کرنے سے پہلے عجیب سی آواز نکالتے بھی سنا ہے اور اس کی آواز ایسی ہوتی ہے جیسے دو بلیاں آپس میں لڑ رہی ہوں یا کوئی چھوٹا بچہ ڈر کر چیخ رہا ہو۔ غرض جتنے منھ اتنی باتیں۔ بہر حال انھی باتوں کی وجہ سے لوگوں کو یقین ہو گیا تھا کہ کالی بلا واقعی کوئی بھوت ہے۔ پہلے تو لوگوں نے ڈر کے مارے رات کے وقت گھروں سے نکلنا چھوڑ دیا، لیکن اس طرح بھی کالی بلا سے جان نہیں بچی۔ وہ تو خود لوگوں کے گھروں میں گھس جاتی تھی۔ کوئی کہتا کہ کالی بلا سے نجات پانے کے لیے پولیس کو اطلاع دینی چاہیے، تو دوسرا شخص کہتا کہ، "جن بھوتوں کا پولیس کیا بگاڑے گی۔ اس کے لیے تو کسی اچھے آدمی سے تعویذ گنڈے کرانے چاہییں۔ کوئی کہتا کہ اس بلا کو ٹالنے کے لیے صدقہ کرنا چاہیے، قربانی دینی چاہیے۔ غرض جس کی سمجھ میں جو بات آجاتی وہ اسی کو درست سمجھ کر کالی بلا سے نجات پانے کے سلسلے میں اپنا مشورہ دے دیتا۔

صلابت نگر میں کالی بلا کے متعلق ہونے والی باتیں نواب شہامت جنگ کی حویلی تک بھی پہنچ گئی تھیں۔ یہ چھوٹی سی بستی نواب شہامت جنگ کے دادا نواب صلابت جنگ نے اپنے نام پر بسائی تھی۔ اس طرح اب یہ بستی نواب شہامت جنگ کی ملکیت تھی۔ غریب آدمی یہ سمجھتے تھے کہ بستی کا مالک یا رئیس انھیں اس مصیبت سے ضرور نجات دلا دے گا۔ اس لیے ایک دن بستی کے کئی آدمی مل کر نواب شہامت جنگ کے پاس آئے اور سارے واقعات انھیں سنا کر ان سے کہا:

"نواب صاحب! کسی طرح صلابت نگر کے رہنے والوں کو اس مصیبت سے بچائیے ورنہ آپ کے دادا کی بسائی ہوئی بستی ویران ہو جائے گی، کیوں کہ اب تو صلابت نگر کے رہنے والے اکثر لوگ بستی چھوڑ کر کسی دوسرے شہر میں آباد ہونے کے متعلق سوچ رہے ہیں۔"

نواب شہامت نے سب کی باتیں سنیں اور دل ہی دل میں کانپ کر رہ گئے، کیوں کہ یوں تو وہ بہت اچھے شکاری تھے انھوں نے کئی شیر مارے تھے، لیکن جنوں اور بھوتوں سے وہ بھی بہت ڈرتے تھے۔ اصل میں ان کی دادی نے ان کے بچپن میں انھیں جنوں اور بھوتوں کی ایسی ایسی کہانیاں سنائی تھیں کہ نواب صاحب کے دل میں بھی جنوں اور بھوتوں کا ڈر بیٹھ گیا تھا۔ یہاں تک کہ جب شکار پر جاتے تو جانور کی طرف بندوق تان کر گولی چلانے سے پہلے تین بار چلا کر کہتے:

"اگر تو کوئی جن بھوت ہے تو چلا جا ورنہ گولی چلاتا ہوں۔"

اگر جانور ان کی آواز سے بھاگ جاتا تو وہ یہ سمجھ لیتے کہ یہ ضرور کوئی جن تھا یا بھوت، جب ہی تو بھاگ گیا۔ اگر جانور کے کانوں تک آواز نہیں پہنچتی اور وہ اپنی جگہ کھڑا رہتا تو یہ گولی چلا دیتے۔ شیر کے شکار پر ان کو رات کے وقت جانا ہوتا ہے، چناں چہ وہ جب بھی شیر کے شکار پر جاتے تو دو چار آدمیوں کو اپنے ساتھ رکھتے تاکہ کوئی جن یا بھوت حملہ کرے تو یہ لوگ انھیں بچالیں۔ بہر حال وہ بستی کے آدمیوں پر اپنے دل کا حال تو ظاہر نہیں کر سکتے تھے۔ آخر بستی کے نواب تھے، چناں چہ انھوں نے کہا:

"بھئی جن بھوت سے کیسے مقابلہ کیا جائے۔ بہر حال آپ لوگ پریشان نہ ہوں۔ میں کسی بزرگ سے مشورہ کر کے جلد ہی اس بلا کا خاتمہ کر دوں گا۔"

نواب صاحب کے اطمینان دلانے پر صلابت نگر کا وفد واپس چلا گیا۔ جب یہ وفد نواب صاحب سے باتیں کر رہا تھا اس وقت نواب صاحب کا لڑکا مرزا دانش بھی موجود تھا۔ مرزا دانش اپنے نام کی طرح بہت عقل مند تھا اور بہادر بھی۔ اس کی عمر سولہ سترہ برس سے زیادہ نہیں تھی، لیکن دیکھنے میں وہ پورا جوان آدمی نظر آتا۔ اس زمانے کے لحاظ سے مرزا دانش بہترین تلوار بھی چلانا جانتا تھا، بندوق کے نشانے میں تو اس کا کوئی جواب ہی نہیں تھا۔ وہ نہ جنوں سے ڈرتا تھا اور نہ بھوتوں سے۔ گھوڑے کی سواری میں دور دور تک کوئی آدمی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے جب وفد کو یہ کہتے سنا کہ کالی بلا گھوڑے پر سوار ہو کر حملہ کرتی ہے اور اس حملے کے بعد لوگوں کا سامان غائب ہو جاتا ہے تو اسے یقین ہو گیا کہ کالی بلا ضرور کوئی آدمی ہے اور لوگوں کو ڈرا کر لوٹ لینے کے لیے اس نے بلا کا سوانگ بھرا ہے۔ مرزا دانش نے دل ہی دل میں فیصلہ کر لیا کہ کسی طرح بھی اس بلا کو پکڑنا چاہیے۔

وفد کے جانے کے بعد وہ اس بلا کو پکڑنے کی ترکیبیں سوچتا رہا۔ اس نے اسی فکر میں رات کا کھانا بھی ٹھیک طرح سے نہیں کھایا اور بڑی دیر تک جاگ کر کالی بلا کو پکڑنے کے مختلف منصوبے بناتا رہا۔ آخر اس نے ایک منصوبے کا نقشہ اپنے ذہن میں مکمل کر لیا۔ یہ منصوبہ خود اس کے لیے بھی خطرناک ہو سکتا تھا، لیکن اسے اس خطرے کی کوئی پروا نہیں تھی۔ منصوبے کا نقشہ ذہن میں مکمل کر کے وہ اطمینان سے سو گیا۔

صبح اس نے اپنے منصوبے کے مطابق کام شروع کر دیا۔ سب سے پہلے تو اس نے اپنے لیے ایک ایسی کالی نقاب تیار کی جسے پہن کر اس کا پورا چہرہ، سر سے گردن تک چھپ جاتا۔ بس آنکھوں کی جگہ دو گول گول سوراخ تھے۔ ان سوراخوں کے اوپر اس نے سائیکلوں کے پیچھے لگنے والے سرخ رنگ کے چھوٹے چھوٹے شیشے لگا دیے۔ یہ شیشے اس قسم کے ہوتے ہیں کہ ان پر روشنی پڑے تو یہ چمکنے لگتے ہیں۔ نقاب کے اوپر اس نے کالے کپڑے کے دو لمبے لمبے کان بنا کر لگا لیے۔ الماری

سے کالے رنگ کے لبے دستانے نکال لیے۔ کالا جوتا، کالے موزے، کالا پتلون، کالی قمیص نکال کر الگ رکھ دیئے۔ اس کے پاس چمڑے کا ایک لمبا سا کوڑا یا چابک تھی۔ اس کے چمڑے کا رنگ بھی کالا تھا۔ جب یہ سب چیزیں جمع ہو گئیں تو وہ حویلی سے باہر نکلا اور ملازم سے ایک بہت لمبا اور بہت موٹا ایسا بانس منگوایا جیسا بانس عام طور پر ٹین کی چھت کے نیچے لگایا جاتا ہے یا بعض لوگ چارپائی میں بھی لگا لیتے ہیں۔ جب بانس آگیا تو لوہے کی ایک خاصی لمبی اور موٹی سی کیل لے کر اسے گرم کرنے کے لیے آگ میں رکھ دیا۔ جب یہ کیل خوب گرم ہو کر سرخ ہو گئی تو اسے ایک زنبور سے پکڑ کر بانس کے موٹے والے سرے پر رکھ کر ہتھوڑی سے جو چوٹ لگائی تو کیل بانس کے آر پار ہو گئی، کیل چوں کہ بہت گرم تھی اس لیے بانس کا اندرونی حصہ جل گیا اور اس میں خاصا چوڑا سوراخ ہو گیا۔ اب دانش نے پانی ڈال کر اس کیل کو ٹھنڈا کر لیا۔ دانش یہ بانس لے کر اصطبل پہنچا۔ نواب شہامت کا اصطبل بہت بڑا تھا۔ اس میں کئی گھوڑے تھے۔ اصطبل کا احاطہ بھی بہت بڑا تھا۔ لکڑی کے شہتیروں سے اصطبل کے احاطے کی حد بنا دی گئی تھی۔ البتہ باہر نکلنے کے لیے خاصا چوڑا راستہ چھوڑ دیا تھا۔ اس راستے کے دونوں طرف موٹے موٹے لکڑی کے شہتیر گڑے ہوتے تھے جن سے گیٹ سا بن گیا تھا۔
دانش نے انھی شہتیروں میں سے ایک پر وہ بانس اس طرح ٹھونک دیا کہ بانس کیل پر گھوم سکے۔ بانس اتنا لمبا تھا کہ اس سے اصطبل کا گیٹ بند ہو گیا تھا۔ اب دانش نے بانس کے دوسرے سرے پر ایک مضبوط رسّی باندھ دی۔ رسّی خاصی لمبی تھی۔ اصطبل کے گیٹ کے قریب ہی دو تین درخت بھی تھے۔ دانش نے رسّی کو ایک درخت کی شاخ میں پھنسا کر کھینچا تو بانس اس طرح اوپر اٹھ گیا جیسے ریلوے گیٹ کھل جاتا ہے۔ اب اس نے رسّی کا آخری سرا ایک درخت کے تنے سے اس طرح باندھ دیا کہ ذرا سے اشارے پر کھولا جا سکے یا رسّی کو کاٹا جا سکے۔ ان تمام انتظامات سے فرصت پا کر وہ حویلی میں جا کر سو گیا، کیوں کہ اسے اپنے منصوبے پر رات کے وقت عمل کرنا تھا۔ اس لیے وہ رات کو بالکل تازہ دم رہنا چاہتا تھا۔

شام کے وقت دانش کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے اپنے انتظامات پر ایک مرتبہ پھر نظر ڈالی کہ کہیں کوئی کمی تو نہیں رہ گئی ہے۔ پھر اس نے اصطبل میں جا کر رات کی سواری کے لیے گھوڑے کا انتخاب کیا۔ نواب شہامت کے گھوڑوں میں ایک گھوڑا ایسا بھی تھا جس کا رنگ بہت گہرا تھا۔ رات کے وقت تو وہ کالا ہی نظر آتا۔ دانش نے اسی گھوڑے کو استعمال کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس کے بعد وہ پھر حویلی میں لوٹ آیا اور نہا دھو کر بالکل تازہ دم ہو گیا۔
رات کے کھانے پر گھر کے سارے ہی لوگ جمع تھے۔ کچھ مہمان بھی تھے۔ اس وقت بھی کالی بلا کے متعلق باتیں ہو رہی تھیں۔ نواب شہامت کا اس وقت بھی یہی خیال تھا کہ جن بھوت کا مقابلہ ممکن نہیں۔ دانش یہ سب باتیں سنتا رہا، لیکن اپنی طرف سے کچھ نہ بولا۔ کھانا ختم ہو گیا اور سب لوگ سونے کے لیے اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے تو دانش بھی

اپنے کمرے میں آگیا اور کمرے کا دروازہ بند کر کے دن میں نکالا ہوا لباس پہن لیا۔ کالا پتلون اور کالی قمیص پہننے کے بعد اس نے چابک اپنی پیٹھ کی طرف گردن سے اس طرح باندھ لیا کہ اس کا ایک سرا نیچے لٹکتا رہے۔ اس کے اوپر سے اس نے ایک بند گلے کا کوٹ پہن لیا۔ کوٹ پہننے کے بعد چابک کا وہ سرا جو نیچے لٹک رہا تھا اوپر اٹھا کر ایک کالی ڈوری سے گردن سے باندھ لیا۔ اب یہ چابک ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کوئی جانور اپنی دم اٹھائے ہوئے ہو۔ اس کے بعد وہ چپ چاپ حویلی سے باہر آگیا۔ چلتے وقت وہ اپنی نقاب، ایک پستول اور تلوار ساتھ لانا نہیں بھولا تھا۔ اب وہ اصطبل میں پہنچا اور اپنی پسند کے گھوڑے پر زین کس کے اسے باہر نکال لایا۔ گھوڑے پر سوار ہونے کے بعد اس نے اپنی نقاب پہن لی۔ اب تو وہ خود ہی کالی بلا معلوم ہو رہا تھا۔ اس زمانے میں سڑک پر بجلی کا انتظام تو ہوتا نہیں تھا اس لیے کوئی اسے دیکھ نہیں سکا۔ اب دانش نے اس سڑک پر گھوڑا دوڑا دیا جس سے عام مسافر صلابت نگر آتے تھے۔ کچھ دور جا کر اسے درختوں کے ایسے جھنڈ نظر آئے جن کے پیچھے چھپ کر وہ کالی بلا کا انتظار کر سکتا تھا۔

دانش کو ایک جھنڈ کے پیچھے چھپے ہوئے زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ سڑک کے دوسری طرف والے درختوں کے جھنڈ کی جھاڑیاں ہلتی ہوئی معلوم ہوئیں۔ اس نے غور سے دیکھا تو اسے وہاں اپنی ہی طرح کا ایک سیاہ پوش سوار نظر آیا۔ اسی وقت دور سے گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز بھی سنائی دی۔ شاید کوئی مسافر گھوڑا گاڑی میں اسی طرف آ رہا تھا پہلے تو دانش نے سوچا کہ اس کالی بلا کو اپنے پستول کا نشانہ بنا دے، لیکن پھر اسے خیال آیا کہ اسے زندہ پکڑنا چاہیے تاکہ اسے پولیس کے حوالے کیا جا سکے۔ پھر اس نے گھر پر جو انتظامات کیے تھے وہ بھی کالی بلا کو پکڑنے کے لیے تھے۔ وہ ابھی اسے پکڑنے کے لیے سوچ ہی رہا تھا کہ گھوڑا گاڑی قریب آگئی۔ اسی وقت سڑک کے دوسری طرف والے جھنڈ سے کالی بلا باہر نکل کر ایک دم گھوڑا گاڑی کے سامنے پہنچ گئی۔ گھوڑا گاڑی چلانے والے اور اس کے مسافروں کی تو کالی بلا کو دیکھتے ہی گھگی بندھ گئی۔ دانش نے سوچا کہ اب دیر نہیں کرنی چاہیے، چناں چہ اس نے اپنے گھوڑے کو اشارہ کیا اور کالی بلا کے پیچھے وہ بھی سڑک پر پہنچ گیا۔ اب اس نے حلق سے ایسی ہی آواز نکالی جیسے کوئی بچہ ڈر کر رو رہا ہو۔ اس آواز سے گھوڑا گاڑی والوں کی نظر بھی دانش پر پڑی اور کالی بلا نے بھی مڑ کر اسے دیکھا۔ آنے والے مسافر تو اپنے سامنے ایک کے بجائے دو بلائیں دیکھ کر ڈر کے مارے بے ہوش ہو گئے، لیکن کالی بلا نے بھی مڑ کر اسے دیکھا اور ٹھٹھک کر رہ گئی کہ یہ دوسری بلا کہاں سے ٹپک پڑی، لیکن اسے فوراً ہی یہ خیال آیا کہ وہ خود تو کالی بلا کی حیثیت سے مشہور ہے ہی، سب اسی سے ڈرتے ہیں۔ شاید کسی شخص نے لوگوں کے اسی خوف سے فائدہ اٹھا کر خود بھی لوٹ مار کرنے کا منصوبہ بنایا ہے، اس لیے پہلے اسی کو ختم کر دینا چاہیے۔ یہ خیال آتے ہی کالی بلا نے دانش پر حملہ کرنے کے ارادے سے اپنے گھوڑے کو موڑا۔ دانش کو اسی وقت کا انتظار تھا۔ اس نے اپنے گھوڑے کو موڑ کر ایڑ لگائی۔

اب دانش آگے آگے تھا اور کالی بلا پیچھے پیچھے۔

دانش نے اس بھاگ دوڑ میں اس بات کا خیال رکھا تھا کہ اس کے گھوڑے کی رفتار ایسی رہے کہ وہ نہ تو کالی بلا کی نظروں سے اوجھل ہو نہ اس کے ہاتھ آسکے۔ تھوڑی دیر بعد وہ صلابت نگر کے قریب پہنچ گئے۔ اب دانش نے اپنے گھوڑے کی رفتار کم کرنی شروع کر دی یہاں تک کہ دونوں کے درمیان صرف بیس پچیس گز کا فاصلہ رہ گیا، لیکن اس وقت تک دانش اپنے اصطبل کے سامنے پہنچ چکا تھا۔ پھر وہ گیٹ سے احاطے میں بھی داخل ہو گیا۔ اب دانش نے بڑی پھرتی سے تلوار نکالی اور ایک ہی وار میں وہ رسی کاٹ دی جو بانس کو اوپر اٹھانے کے لیے باندھی تھی۔ دانش کا خیال تھا کہ بانس گرتے ہی کالی بلا بانس سے ٹکرا کر گھوڑے سے گر پڑے گی، لیکن ہوا یہ کہ بانس اس وقت گرا جب کالی بلا ٹھیک اس کے نیچے تھی۔ اس طرح بانس بڑی زور سے کالی بلا کے سر سے ٹکرایا۔ بانس بہت وزنی تھا وہ جب پوری قوت سے کالی بلا کے سر پر پڑا تو کالی بلا کی آنکھوں میں تارے ناچ گئے اور وہ بے ہوش ہو کر گھوڑے سے گر پڑی اتنی دیر میں دانش کا گھوڑا رک چکا تھا وہ پھرتی سے گھوڑے سے اترا۔ اپنا نقاب اتار کر پھینک دیا اور جلدی جلدی گردن سے وہ چابک بھی کھول کر الگ کر دیا جو کسی جانور کی دم معلوم ہو رہا تھا۔ اب وہ تلوار سنبھالے کالی بلا کے قریب پہنچا تاکہ اگر اب بھی وہ دانش پر حملہ کرے تو اسے تلوار سے زخمی کیا جا سکے، لیکن وہ تو بے ہوش پڑی تھی۔ دانش کی نظریں اس کے ہاتھوں پر پڑیں، اس نے دستانوں کی طرح شیر کے نقلی پنجے پہن رکھے تھے، جن سے وہ لوگوں کو زخمی کرتا تھا۔ دانش نے یہ پنجے اتار لیے اور چیخ کر اپنے ملازموں کو آواز دی۔ تھوڑی ہی دیر میں حویلی کے دوسرے آدمیوں کے ساتھ نواب شہامت بھی پہنچ گئے۔ صلابت نگر کے دوسرے لوگ بھی جمع ہو گئے۔ کالی بلا کے چہرے سے جانور کی شکل کا نقلی چہرہ اتارا گیا تو اس کی شکل عام انسانوں جیسی تھی۔ اس کے ہاتھ پاؤں باندھ دیئے گئے اور صبح اسے پولیس کے حوالے کر دیا گیا۔ کہتے ہیں کہ کالی بلا نے لوٹ کا مال ایک غار میں جمع کر رکھا تھا۔ پولیس نے یہ سارا مال برآمد کر لیا۔

★

صحّت کی الف بے

مسعود احمد برکاتی

صحت کے اصول سادہ اور آسان ہیں، صرف انھیں ذہن نشین کرنے اور اُن پر عمل کی ضرورت ہے۔ صحّت کی الف ب میں صحت و تن درستی کی بنیادی باتیں آسان اور دل کش انداز میں پیش کی گئی ہیں

ہمدرد فاؤنڈیشن، ناظم آباد، کراچی ۱۸   ۵/- رُپے

ہمدرد انسائیکلوپیڈیا

علی ناصر زیدی

س : سیل میں جو کرنٹ بھری ہوتی ہے وہ عام بجلی کی طرح جھٹکا کیوں نہیں مارتی ؟

محمد اجمل نعیم سرائے سدھو ملتان

ج : پہلی بات تو یہ سمجھ لیجیے کہ کرنٹ کے جھٹکا دینے کا تعلق اس کے وولٹیج سے ہے۔ ہم ڈیڑھ سو وولٹ تک کی کرنٹ کو آسانی سے برداشت کر لیتے ہیں اور بعض مستری تو اس سے بھی زیادہ وولٹیج برداشت کر لیتے ہیں، کیوں کہ وہ عادی ہو جاتے ہیں۔ ٹارچ کا سیل چھوٹا ہوتا ہے اس کا وولٹیج بہت کم ہوتا ہے، یعنی صرف ڈیڑھ وولٹ، اس لیے سیل کو چھونے سے ہمیں کسی قسم کا جھٹکا محسوس نہیں ہوتا۔

س : لوہے کی کتنی قسمیں ہیں ؟ محمد مسعود بدر صدیقی، ضلع لیہ

ج : دو قسمیں ہیں : عام لوہا اور فولاد۔

س : بتائیے پانی میں پھول تر و تازہ کس طرح رہتے ہیں ؟ محمد فیض عالم، ڈیرہ اسمٰعیل خاں

ج : پھولوں کو تر و تازہ رہنے کے لیے پانی کی ضرورت پڑتی ہے، جو انھیں اس پودے سے حاصل ہوتا رہتا ہے جس پر وہ لگتے ہیں۔ پودے کو تر رکھنے کے لیے ہم اس کی جڑ میں پانی دیتے ہیں جب پھولوں کو پودے سے توڑ کر گل دستہ سجایا جاتا ہے اور گل دان میں تھوڑا پانی بھر دیا جاتا ہے تو پھول اپنے ڈنٹھلوں کے ذریعے سے گل دان سے یہ پانی تھوڑی مقدار میں کھینچتے رہتے ہیں اور کچھ مدت تر و تازہ رہتے ہیں۔

س : گہرے سمندر میں پائے جانے والے پودے اور جانور اپنی خوراک کس طرح حاصل کرتے ہیں ؟

عبدالرزاق انصاری، کراچی

ج : قدرت نے جان داروں کے لیے ہر جگہ ان کی غذا کا انتظام بھی کیا ہے۔ گہرے سمندروں میں جہاں بڑے جان دار پائے جاتے ہیں وہاں چھوٹے جان دار بھی جنم لیتے ہیں اور انھیں کھا کر بڑے جان دار

زندہ رہتے ہیں۔ مثل مشہور ہے کہ بڑی مچھلی چھوٹی مچھلی کو کھاتی ہے۔ یہ اصول ہر جگہ کارفرما ہے۔

س: جب سورج کی طرف دیکھتے ہیں تو ہماری آنکھوں کے سامنے اندھیرا کیوں آجاتا ہے؟

ذیشان الرحمٰن، کراچی

ج: سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ سورج کی طرف دیکھنا نہیں چاہیے، اس میں بینائی ضائع ہوجانے کا خطرہ رہتا ہے۔ سورج کی روشنی بہت تیز ہوتی ہے۔ خود سورج بہت ہی روشن جسم ہے۔ جب ہم اس پر نظر ڈالتے ہیں تو ہماری پُتلی بے حد سکڑ جاتی ہے اور ہمیں تھوڑی دیر تک کچھ نظر نہیں آتا۔ جب روشنی کی شدّت کا اثر جاتا رہتا ہے اور ہماری پتلی معمول پر واپس آجاتی ہے تو ہمیں دوبارہ نظر آنے لگتا ہے۔

س: پستہ درخت کا کون سا حصہ ہے؟ اور پستہ کس ملک میں زیادہ پایا جاتا ہے؟

عبدالمجید دستی، کراچی

ج: پستہ اسی نام کے درخت کا پھل ہے جس پر بادام جیسا سخت خول چڑھا ہوا ہوتا ہے، جسے توڑ کر سبز رنگ کا وہ پستہ حاصل کیا جاتا ہے جو آپ استعمال کرتے ہیں۔ پستہ ایران میں زیادہ پیدا ہوتا ہے۔

س: دل کے دورے آج کل اتنے عام کیوں ہو گئے ہیں؟ اس کی کوئی خاص وجہ ہے؟

رابعہ یعقوب، کراچی

ج: قلب کی بیماریاں اس زمانے میں ہمارے تفکرات اور غیر فطری طرز زندگی کا نتیجہ ہیں۔ تقریباً ہر گھر کے اخراجات اس کی آمدنی سے زیادہ ہیں۔ مصنوعی اور فیشن زدہ زندگی ہمیں چین نہیں لینے دیتی۔ ہر شخص زندگی کی دوڑ میں آگے بڑھنے میں مصروف ہے اور ورزش اور جسمانی محنت نہیں کرتا۔ ہمارے دل پر ہر وقت بوجھ رہتا ہے۔ نتیجہ ظاہر ہے۔

س: جنریٹر کیا ہوتا ہے۔ اس کا کیا اصول ہے؟ مقبول احمد، فیصل آباد

ج: جنریٹر اس مشین کو کہتے ہیں جو ہمارے لیے بجلی تیار کرتی ہے اور جس کا انحصار اس قدرتی تعلق پر ہے جو بجلی اور مقناطیسیت کے درمیان پایا جاتا ہے۔ ایک مقناطیس کے قطبین کے درمیان تاروں کا ایک لچھا ہوتا ہے، جسے آرمیچر کہتے ہیں۔ اس آرمیچر کو ٹربائن کے ذریعہ سے یا کسی اور طرح زور سے گھمایا جاتا ہے۔ وہ مقناطیسی خطوط کاٹتا ہے اور یوں اس میں بجلی پیدا ہو جاتی ہے، جسے باہر نکال لیا جاتا ہے اور استعمال کیا جاتا ہے۔ آرمیچر کو گھمانے کے لیے بالعموم ٹربائن استعمال کی جاتی ہے جو خود آبشار کے گرتے ہوئے پانی کے زور سے گھومتی ہے۔ ایسی ٹربائن "واٹر ٹربائن" کہلاتی ہے اور

اگر پانی کو اُبال کر اس کی بھاپ سے ٹربائن کو گھمایا جائے تو ہم اسے "اسٹیم ٹربائن" کہتے ہیں۔ ٹربائن کا کام آرمیچر کو گھمانا ہے۔ آرمیچر مقناطیسی میدان میں گھومتا ہے تو بجلی پیدا ہو جاتی ہے۔

س: ریڈار کس نے ایجاد کیا؟ یہ کس اصول کے تحت کام کرتا ہے؟

عاصم الٰہی کیانی، کراچی

ج: یہ دوسری جنگِ عظیم کی بات ہے جو ۱۹۳۹ء سے ۱۹۴۵ء تک جاری رہی اور جرمنوں نے انگلستان پر بے شمار ہوائی حملے کیے۔ ان ہوائی حملوں سے بچنے اور پہلے سے ان کی اطلاع کرنے کے لیے ریڈار ایجاد کیا گیا۔ اس کی ایجاد میں بہت سے سائنس دانوں اور انجینیئروں کا حصّہ ہے۔ اس کا اصول یہ ہے کہ اس کے مرکزی حصّے سے وائرلیس لہریں نکل کر ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سیکنڈ کی زبردست رفتار سے چاروں طرف پھیل جاتی ہیں۔ وہ اپنے راستے میں بحری جہاز، ہوائی جہاز یا کسی بھی دوسری چیز سے ٹکراتی ہیں تو فوراً واپس آ کر ریڈار کے ٹیلے وژن جیسے پردے پر اسی چیز کی تصویر پیش کر دیتی ہیں۔ اس طرح اس سے بچنے یا اس کے حملے کو ناکارہ بنا دینے کا پہلے سے انتظام کر لیا جاتا ہے۔

س: انسان پانی میں ڈوب جانے کے بعد پانی کے اندر کتنی دیر زندہ رہ سکتا ہے؟

عبدالحق کھوسہ بلوچ، سکھر

ج: مشکل سے ایک دو منٹ۔

س: ہوائی جہاز کس اصول کے تحت اُڑتا ہے؟ نثار اختر، کراچی

ج: جس طرح ہم پانی کو پیچھے دھکیل کر پانی پر تیرتے ہیں، اسی طرح ہوائی جہاز اپنے پَروں سے ہوا کو پیچھے دھکیل کر آگے بڑھتا ہے۔ اب پَروں والے جہازوں کا رواج کم ہوتا جا رہا ہے۔ جیٹ طیاروں نے ان کی جگہ لی ہے۔ اس کے انجن سے بھی ہوا کی تیز دھار پیچھے کی طرف نکلتی ہے اور پورا جہاز زور سے آگے بڑھتا ہے۔

س: کیا آسمانی بجلی کو دیکھنے سے آنکھوں کو نقصان پہنچتا ہے؟

مہناز سحر، فرح سحر، کراچی

ج: آسمانی بجلی کا وولٹیج بہت زیادہ ہوتا ہے اور اسی کے مطابق اس کی چمک بہت زیادہ ہوتی ہے۔ اس پر نگاہ جمانے سے آنکھوں کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔

خوشحالی کے کئی دَر

اپنی آمدنی سے کچھ بچاتے رہنا آپ کا طریقِ زندگی اور اس بچت کو پروان چڑھانا ہمارا نصب العین،
حکومت کی کئی منافع بخش اسکیموں کے ذریعے محکمہ قومی بچت آپ کا مستقبل سنوارنے میں آپ کا مددگار ہے

مندرجہ ذیل اسکیموں میں سرمایہ کاری کیجئے اور انکم ٹیکس سے مستثنٰے منافع کمائیے

خاص ڈیپازٹ سرٹیفیکیٹس/ اکاؤنٹ : • منافع کی ادائیگی ہر چھ ماہ بعد پہلے ۲ ½ سالوں میں شرح منافع ۱۵ فیصد سالانہ اور آخری چھ ماہ میں ۱۷ فیصد سالانہ • منافع کی دوبارہ سرمایہ کاری کی جا سکتی ہے۔
• زرِمبادلہ میں کی گئی سرمایہ کاری پر زرِمبادلہ میں ہی منافع کی ادائیگی ہو سکتی ہے۔

ماہانہ آمدنی اکاؤنٹ : • پانچ سال تک ۱۰۰ روپے سے ۵۰۰ روپے تک ماہانہ جمع کرانے کے بعد جمع کرائی گئی ماہانہ قسط کے برابر ماہانہ منافع ہمیشہ ہمیشہ حاصل کرتے رہیئے۔

ڈیفینس سیونگ سرٹیفیکیٹس : • اوسطاً ۳۲ء۶ فیصد منافع اور انکم ٹیکس میں چھوٹ۔

نیشنل ڈیپازٹ سرٹیفیکیٹس : • ۲۳ فیصد اوسطاً سالانہ منافع۔

سیونگ اکاؤنٹ : • ماہانہ بنیاد پر متعین شدہ ۱۰ فیصد سالانہ منافع۔

انعامی بانڈز : • ۱۰ روپے/ ۱۱ روپے/ ۵۰ روپے/ ۵۰۰ روپے اور ۱۰۰۰ روپے کے انعامی بانڈز پر ہر ماہ لاکھوں روپے کے انعامات حاصل کرنے کے کئی مواقع۔

حکومتِ پاکستان آپ کے سرمایہ کے تحفظ کی ضامن

مزید تفصیلات اور سرمایہ کاری کے لیے قریبی **مرکز قومی بچت** سے رجوع فرمائیں۔

جاری کردہ: **سنٹرل ڈائریکٹوریٹ آف نیشنل سیونگز** (حکومتِ پاکستان) سی ڈی اے بلاک نمبر ۱ اسلام آباد۔ ٹیلیفون: 829828 ٹیلیکس: 5730 SAVEPK

PID(I)

Midas Ibd.

معلوماتِ عامّہ ۲۴۸

اس بار بھی سوالات کی تعداد بارہ ہی ہے، لیکن تصویریں صرف ۱۲ یا ۱۱ صحیح جوابات بھیجنے والوں کی شائع کی جائیں گی۔ دس اور نو صحیح جوابات بھیجنے والوں کے صرف نام شائع کیے جائیں گے۔ جوابات ۲۰ دسمبر ۸۶ء تک بھیج دیجیے۔ جوابات کے نیچے اپنا صاف نام اور پورا پتا لکھیے۔

۱۔ بتائیے بلئیرڈ کس ملک میں ایجاد ہوا۔
۲۔ آفتابِ موسیقی کس کا خطاب ہے ؟
۳۔ میر انیس کی شاعری کا اصل میدان کون سی صنفِ سخن ہے ؟
۴۔ اردو میں جگت استاد کس شاعر کا خطاب ہے ؟
۵۔ "روحِ عصر" فلسفے کی ایک کتاب کا نام ہے۔ اس کے مصنف کا نام بتائیے۔
۶۔ دنیا کا سب سے پہلا کیمیاداں کون تھا ؟
۷۔ خلیفہ مامون رشید نے ایک بڑا علمی ادارہ "بیت الحکمت" قائم کیا تھا، اس کے کتنے شعبے تھے۔ بتائیے کتنے۔
۸۔ زمین سے سورج کا فاصلہ کتنا ہے ؟
۹۔ نماز شروع کرنے کے لیے سب سے پہلے کیا الفاظ ادا کرنے ہوتے ہیں ؟
۱۰۔ مسجد ذوالقبلتین کہاں واقع ہے ؟
۱۱۔ قرآن پاک میں کن صحابی کا نام آیا ہے ؟
۱۲۔ ترکی کی پہلی مسلم سلطنت کا نام کیا تھا ؟

آپ ہمدرد نونہال پڑھتے ہیں

آپ کے بزرگوں کے لیے بہترین رسالہ

ہمدرد صحّت

ہے جس میں جوانوں، بوڑھوں، عورتوں اور بچّوں کی صحّت، مسرت اور سکون کے لیے مفید مضامین اور تازہ معلومات ہوتی ہیں۔

ہمدرد صحّت تقریباً نصف صدی سے اُردو زبان میں صحت، طب، سماجی بہبود، بیماریوں سے بچاؤ کی تدابیر، نفسیاتی مسائل، ازدواجی زندگی کی کام یابی اور خوشگواری کے راز عام کرنے میں مصروف ہے۔

آج اپنی صحت کی حفاظت کیجیے، کل صحّت آپ کا ساتھ دے گی اور آپ آخر عمر تک خوش و خرّم زندگی گزار سکیں گے۔

★ ہر ماہ ہمدرد صحّت کا مطالعہ گھر کے ہر فرد کے لیے ضروری ہے ★

ناظم ہمدرد صحّت، ہمدرد ڈاک خانہ، ناظم آباد، کراچی ۱۸

اِس بار تو بات ہی نئی ہوئی۔ اکتوبر کی پانچ تاریخ تھی۔ ہمدرد میں مصروفیتوں کا یہ عالم کہ آنکھ جھپکانے کی فرصت نہیں۔ شعبۂ تصنیف و تالیف میں ہمدرد رسالوں کا ہجوم، شعبۂ اطلاعات میں چہارم عالمی طب اسلامی کانفرنس کے کام پھیلے ہوئے، شعبۂ پروگرامس میں "جہاں دوست" تنظیم کے پروگرام، خود جناب حکیم محمد سعید کا بال بال مصروفیتوں میں اٹکا ہوا۔ مگر اچانک خیال آیا کہ کل تو ۶ اکتوبر ہے اور نونہالوں کا عالمی دن ہے۔ حکیم صاحب نے فرمایا:

کیوں بھئی بچّو! چیلنج قبول ہے؟ ہو جائے کل بزمِ ہمدرد نونہال؟

حکیم صاحب بڑی محبّت سے کبھی کبھی سب ہمدرد کے ڈائرکٹروں کو بچّو کہہ کر مخاطب فرماتے ہیں۔ چیلنج بڑا سخت تھا، مگر معاملہ نونہالوں کا تھا۔ پھر صاحب کی بچّوں سے محبّت بے پناہ۔ ہم نے چیلنج قبول کر لیا۔ ماموں حمیدی اور چچا برکاتی اور آنٹی سعدیہ سب ہی تیار ہو گئے۔ حمیدی صاحب لنگر لنگوٹ کس میدان میں اُتر گئے۔ وہ ابھی تازہ حج کر کے آئے ہیں۔ دیکھا گیا کہ وہ جا نماز پر بیٹھے دعائیں مانگ رہے ہیں اور پھر وہ میدان میں اُتر کر ایسے غائب ہوئے کہ ۶ر اکتوبر کی سہ پہر چار بجنے میں دو منٹ پر اُن کا دیدار ہوا۔

حکیم صاحب تاج محل پہنچے، پوچھا: حمیدی صاحب، کیا حال ہے قوم کا؟

جناب محترم، آپ کے بچّے، قوم کے نونہال آچکے ہیں !

واقعی ! بھئی حیرت ہے کہ ایک دن کے اندر اندر آپ نے کیسے میرے بچّوں کو جمع کرلیا!

اتنا کہا اور حکیم صاحب سرپٹ دوڑے، ایک نہیں، دو دو سیڑھیاں پھلانگیں اور ٹھیک چار بجے ہال میں تھے !

نونہالانِ وطن خوب جانتے ہیں کہ حکیم صاحب وقت کے سخت پابند ہیں۔ سب نونہالوں کی نگاہیں دروازے پر جمی ہوئی تھیں۔ جیسے ہی جناب حکیم صاحب داخل ہوئے ۹سو سے زیادہ بچّے سمندر کی لہروں کی طرح اُٹھ کھڑے ہوئے۔ سمندر کا شور ہوا۔ خوش آمدید کی آوازیں تالیوں کی گونج میں بلند ہوئیں اور جلد ہی حکیم صاحب اپنے بچّوں کے درمیان آگئے۔ ہمدرد کے فلم یونٹ نے اس منظر کی فلم بنائی ہے۔ حکیم صاحب اسٹیج پر آئے۔ ماموں حمیدی تو پروگرام شروع کرنے کے لیے بالکل تیار ہی تھے۔

سب سے پہلے نونہال سعد بن عمر نے قرآنِ حکیم کی تلاوت کی اور پھر ننھی ثمر بانو آئیں۔ وہ اتنی چھوٹی تھیں کہ ایک کرسی اور کرسی پر پیٹی رکھی گئی تب جاکر وہ دکھائی دیں۔ ثمر بانو نے بڑے پیارے انداز سے نعت پڑھی۔ دِل باغ باغ ہوگیا! اب بھئی پروگرام تو ایک دن میں بنا تھا۔ تقریری مقابلہ کیسے ہو! مگر حمیدی صاحب کا ذہن بہت تیز ہے۔ پھر چچا برکاتی اور آنٹی سعدیہ ان کو مشورہ دینے کے لیے ریڈی میڈ رہتے ہیں !

ترانۂ امن

امن پر جناب قمر ہاشمی نے ایک ترانہ منظوم کیا ہے۔ قمر ہاشمی بہت بڑے شاعر ہیں اور ہمدرد میں سرگرمِ خدمت ہیں۔ یہ ترانہ ہیپی ہوم کی پانچ بچیوں نے پیش کیا۔ بڑا دِل کش پیغام تھا۔ پیارے نونہالوں نے اس ترانے کی خوب داد دی اور سارا ہال تالیوں سے گونج گونج اُٹھا۔

نونہالانِ ہمدرد! تقریری مقابلے کے لیے آج چار موضوع ہیں۔ اب میں جناب حکیم صاحب کی اجازت سے سب سے پہلے ان ہی کو دعوت دیتا ہوں کہ وہ آئیں اور اپنے بچّوں سے باتیں کریں۔

حمیدی صاحب نے شاید حکیم صاحب کے کان میں بات کر کے ان کو موضوع بتا دیا تھا۔

خیر بھئی، حکیم صاحب، جو آج بڑے ہی خوش تھے، اُٹھے۔ اُن کی سفید شیروانی بُرّاق کی طرح چمک رہی تھی۔ چہرے پر مسرتیں کروٹیں لے رہی تھیں۔ حکیم صاحب نے ہاتھ بلند کیا۔ تمام نونہال ساکت ہو گئے۔ تقریر شروع ہو گئی:

"میرے بچّو! آج میں معمول کے خِلاف پہلے تقریر کرنے آگیا ہُوں۔ بات یہ ہے کہ میں آج

بہت ڈرا ہوا ہوں۔ ہاں سہما ہوا بھی ہُوں۔ آج میرے پیارے نونہال تقریریں کریں گے۔ وہ ایسے ذہین اور ایسے پُرجوش ہیں کہ مجھے ڈر یہ لگا کہ وہ اچھی تقریریں کر جائیں گے اور میں پھسڈّی رہ جاؤں گا۔ میں نے سوچا کہ میں پہلے ہی باتیں کر لوں تو میری عزت رہ جائے گی!

(زبردست تالیاں) میں اپنے بچّوں کو مبارک باد دیتا ہوں کہ وہ صرف چند گھنٹوں کے بلاوے پر سب کے سب ٹھیک چار بجے یہاں جمع ہو گئے ہیں۔ وقت کی یہ پابندی بڑی قدر کے لائق ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ اس پابندیِ وقت کو بڑے دیکھیں اور نونہالوں سے وقت کی پابندی کا سبق لیں۔
(زور کی تالیاں)

ذرا قائدِ اعظم کی بات کرتا ہُوں۔ ان سے ملاقات کے لیے بڑے سے بڑا آدمی بھی اگر پانچ منٹ

دیر سے آئے تو وہ ملاقات سے انکار کر دیتے تھے۔ظاہر ہے کہ وہ خود بھی وقت کے سخت پابند تھے۔ اگر وہ وقت کی قدر نہ کرتے اور دوسروں سے وقت کی قدر نہ کراتے تو شاید وہ ایک کام یاب انسان نہ ہوتے۔ وہ اور اُن کے جاں نثار ساتھی یہ پاکستان بنانے میں کام یاب ہو گئے جہاں ہم آج آزادی کا سانس لے رہے ہیں۔

وقت کی پابندی بڑی خوبی ہے۔ وقت کی قدر کرنا عظمت (بڑائی) ہے اور وقت کا صحیح استعمال کرنا رفعت (بلندی) ہے۔ اس کے ساتھ ہی محنت کرنا، عمل کرنا، جدّوجہد کرنا، مصروف رہنا بھی ضروری ہے۔ باتیں سن کر اور باتیں کر کے رہ جانا کافی نہیں ہے۔ وہ جو رات دن محنت کرتے ہیں۔ عمل کرتے ہیں۔ سوچتے ہیں۔ آگے بڑھتے ہیں (خوب تالیاں)

محبّت کرنا انسان کی بڑی خوبی ہے۔ ہمارے پیارے نبیؐ نے انسانوں سے محبّت کرنا ہمیں سکھایا ہے۔ وہ خود بھی سب سے محبّت فرماتے تھے، انسانوں سے۔ عالموں سے، شاگردوں سے، بچّوں سے۔ بھئی وہ تو جانوروں سے محبّت فرماتے تھے۔ ایک بار پیارے نبیؐ آرام فرما رہے تھے۔ کرتے کے دامن پر ایک بلّی آکر سو گئی۔ عصر کی اذان ہوئی۔ پیارے نبیؐ بیدار ہوئے۔ دیکھا تو ایک پیاری بلّی دامن پر سو رہی ہے۔ اب کیا ہو۔ جگاتے ہیں تو بلّی کو تکلیف ہوگی۔ مگر پھر کیا ہو۔ نماز تو فرض ہے۔ جماعت سے نماز ادا کرنا بڑا نیک عمل ہے۔ پیارے نبیؐ نے اپنے کُرتے کا دامن کاٹ دیا۔ بلّی سوتی رہی اور پیارے نبیؐ نماز میں شریک ہو گئے۔

نونہالو! محبت بڑی چیز ہے۔ دیکھا جائے تو محبت سے ہر انسان خوش ہوتا ہے۔ اگر سب ایک دوسرے سے محبت کریں تو سارا عالم امن کا گہوارہ بن جائے۔ اسلام تو سلامتی کا دین ہے۔ وہ امن چاہتا ہے۔ پاکستان سے محبت کرنی چاہیے۔ ہمارا پاکستان بہت بڑا پاکستان ہے۔ یہ خود بھی بڑا ہے اور اس بڑے پاکستان نے ہم کو بڑا بنایا ہے۔ ہم ایک تو اس لیے بڑے ہیں کہ ہم آزاد ہیں۔ آزادی سب سے بڑی بڑائی ہے۔ بلکہ کہنا چاہیے کہ آزادی زندگی ہے اور غلامی موت ہے

(زبردست تالیاں) پاکستان زندہ باد۔

دوسرے ہم اس لیے بڑے ہیں کہ اس عظیم پاکستان میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں آرام اور آسائش کی ہر چیز دے دی ہے۔ بھئی ذرا غور تو کرو، پاکستان میں کیا نہیں ہے! کس شے کی یہاں کمی ہے؟ دنیا میں ایسے بھی بہت سارے ملک ہیں کہ جہاں پینے کو پانی تک نہیں ملتا۔ لوگ فاقے کرتے ہیں۔ بھوک سے بچے بلکتے ہیں۔ تعلیم کے لیے سامان نہیں ہے۔ پہننے کو کپڑا نہیں ہے۔ پھر تم اب غور کرو کہ کیا میسر نہیں ہے!

پاکستان بڑا ہے۔ پاکستان نے ہمیں بڑا بنایا ہے۔ ہمیں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ شکر ادا کرنا بڑائی ہے۔ شکر ادا کرنا اخلاق ہے۔ شکر ادا کرنا انسان کا وصف ہے۔ پاکستان سے محبت کرو۔ پاکستان کی تعمیر کرو۔ نونہال تعمیر اس طرح کریں کہ دل لگا کر پڑھیں۔ علم حاصل کریں۔ علم حاصل کیے بغیر انسان مکمل انسان نہیں بن سکتا۔ علم انسان کو بڑا بناتا ہے۔ جو نونہال آج علم حاصل کریں گے اُن کی جوانی علم کا نمونہ بن جائے گی اور پھر وہ تعمیرِ پاکستان کریں گے۔

پاکستان سے محبت کرو

پاکستان کی تعمیر کرو۔ پاکستان زندہ باد"

اب نونہالوں میں زبردست جوش خروش تھا۔ اُن کے اپنے حکیم صاحب اُن سے اُن کی زبان میں باتیں کر رہے تھے۔ حکیم صاحب نے اپنی باتیں نونہالانِ ہمدرد کا شکریہ ادا کرنے سے شروع کی تھیں وہ فرما رہے تھے کہ آج میرے نونہال بالکل صحیح وقت پر اور میری ایک آواز پر جمع ہو گئے۔ میں اُن کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

کھچا کھچ بھرے ہال میں سے ایک پیاری بچی اپنی ماں کو چھوڑ کر اسٹیج پر جناب حکیم صاحب کے پاس آگئی۔ ماں اُسے پکڑنے اُس کے پیچھے بھاگی۔ مگر اس اثنا میں بچی اسٹیج پر آچکی تھی اور حکیم

صاحب نے اُسے اٹھا کر اپنی گود میں لے لیا تھا۔

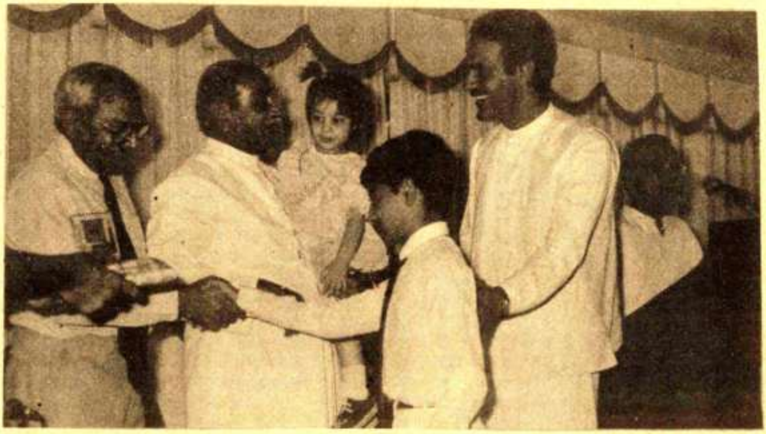

جناب اطہر صدّیقی

جناب محمد اطہر صدّیقی جب بچّے تھے تو ہمدرد نونہال پڑھا کرتے تھے اور اپنے والدِ محترم سے ضد کرتے تھے کہ اُن کو حکیم سعید صاحب جیسی سفید شیروانی چاہیے۔ اِن دنوں وہ وزیرِ صحت سندھ ہیں۔ آج سندھ کے چیف سیکرٹری جناب مسعود نبی نور نے ایک ظہرانہ مرتب فرمایا تھا۔ حکیم

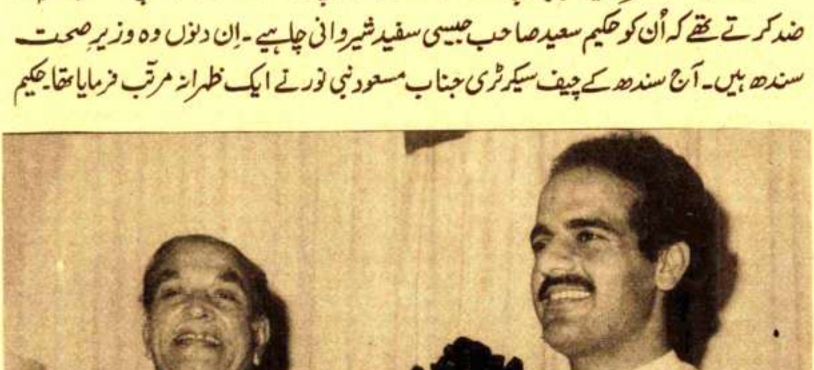

صاحب نے اُس میں شرکت کی مگر کھانا نہیں کھایا تھا۔ وہ دِن کا کھانا نہیں کھاتے۔ وہ ایک ناشتا اور ایک کھانا تحریک کے بانی اور حامی ہیں۔ وہ اطہر صدیقی کو وہاں چھوڑ آئے تھے اس لیے بزمِ نونہال میں وہ تاخیر سے آئے۔ حکیم صاحب نے اپنے اِن "نونہال دوست" کا استقبال کیا۔ گلے لگایا، اپنے پاس بٹھایا۔

تقریری مقابلہ

ماموں حمیدی نے تقریر کے موضوع وقت کے وقت دینے کا پروگرام بنایا۔ اب مائک پر حمیدی صاحب آگئے۔ انھوں نے نونہالان ہمدرد سے چند باتیں کیں۔ مقابلے کا اصول سمجھایا اور پہلا موضوع دیا اور پوچھا، آؤ کتاب سے محبت کریں کے موضوع پر کون تقریر کرے گا۔ میں کیا بتاؤں، کیا جذبہ تھا! اس موضوع پر تقریر کرنے کی خواہش کرنے والے ایک نہیں سینکڑوں تھے۔

حکیم صاحب بڑے غور سے دیکھ رہے تھے۔ جو ہاتھ سب سے پہلے اُٹھا تھا حکیم صاحب کے مشورے پر جس بچّی کو بلالیا گیا وہ تھیں نغمہ ثنا (گرانڈ فاکس انگلش اسکول)۔ انھوں نے بڑی زوردار تقریر کی۔ تقریر میں اشعار بھی خوب تھے۔ بچّوں نے ان کو بار بار تالیاں بجا کر داد دی۔ خوشی کا خوب اظہار کیا

داد دینے کی بات بھی تھی۔ وقت کے وقت موضوع ملا تھا۔ ہم نے یہ دیکھا کہ بچّوں سے زیادہ تالیاں تو حکیم صاحب بجا رہے تھے۔ وہ اس تقریر پر بہت خوش تھے۔ حکیم صاحب کو اطہر صاحب اور برکاتی صاحب سے کہتے سُنا کہ" ذرا غور کیجیے کہ پاکستان کے بچّے کتنے ذہین ہیں۔ اِن سے محبّت کرو تو یہ پاکستان کو ایسا بنا دیں گے کہ دنیا حیرت کرے۔" باقی تین تقریریں اور مقرر یہ تھے:

صفائی نصف ایمان ہے۔	مقرّر : افشاں ندیم
پاکستان سے محبّت کریں۔	مقرّر : سعد بن عمر
وقت کی پابندی	مقرّر : ضیاء محی الدین

کوئز پروگرام

تقریروں کے مقابلے کے بعد کوئز پروگرام شروع ہوا۔ تب ہم نے دیکھا کہ ماموں حمیدی صاحب نے چچا برکاتی صاحب اور آنٹی سعدیہ صاحبہ سے مشورہ کیا اور فوراً مائک پر آگئے۔ جب انھوں نے پہلا سوال پوچھا کہ سب سے پہلے انسان نے کیا دریافت کیا تو ہم نے دیکھا کہ ہر بچے نے ہاتھ اٹھا دیے۔ جناب محمد عثمان مائک ہاتھ میں لیے لیے اِدھر اُدھر جا رہے تھے۔ بچّے جواب دے رہے تھے۔ ماموں حمیدی ہاں ناں کر رہے تھے۔ صحیح جواب پر وہ اس زور سے بولتے تھے کہ مائک بھی ضرور ان سے ڈر جاتا ہوگا!

سوالات مع جوابات

۱۔ سب سے پہلے انسان نے کیا دریافت کیا؟ (آگ)

۲۔ پاکستان میں پانچ ہزار سال قدیم تہذیب کے آثار ملے ہیں؟ تہذیب کا نام بتائیے؟ (وادیِ سندھ کی تہذیب)

۳۔ پاکستان کی سرزمین پر قدیم ترین یونی ورسٹی کا نام بتلیئے یہ اسلام آباد سے دُور نہیں؟ (ٹیکسلا)

۴۔ محمد بن قاسم کا اصل نام کیا تھا؟ (عماد الدین)

۵۔ پاکستان کی قدیم ترین مسجد کہاں دریافت ہوئی ہے؟ (بھنبھور میں)

۶۔ پاکستان میں مسلمانوں کا پہلا دار الحکومت کہاں تھا؟ (منصورہ)

۷۔ حیدر آباد سندھ کا قدیم نام کیا تھا؟ (نیرون کوٹ)

۸۔ شالیمار باغ کس بادشاہ نے بنوایا تھا؟ (شاہجہاں نے)

۹۔ اکبر اعظم کہاں پیدا ہوا تھا؟ (عمر کوٹ میں)

۱۰۔ ایک ملین لکھنا ہو تو کتنے صفر لگانا پڑتے ہیں ؟ (چھے صفر)
۱۱۔ آپ سو کر اٹھتے ہیں تو سب سے پہلے کیا کرتے ہیں ؟ (آنکھیں کھولتے ہیں)
۱۲۔ افریقہ کے سب سے بڑے دریا کا کیا نام ہے ؟ (دریاے نیل)
۱۳۔ امن کے سب سے بڑے عالمی ایوارڈ کو کیا کہتے ہیں ؟ (امن کا نوبل انعام)
۱۴۔ دنیا میں سب سے زیادہ بولی جانے والی زبان کون سی ہے ؟ (چینی)
۱۵۔ گلگت میں کون سا کھیل ایجاد ہوا تھا ؟ (پولو)
۱۶۔ اولمپک کھیلوں کے پرچم میں پانچ دائرے کیا ظاہر کرتے ہیں ؟ (پانچ براعظم)
۱۷۔ اقوام متحدہ کے موجودہ سیکرٹری جنرل کا نام بتائیے۔ (پیریز ڈی کوئر)
۱۸۔ مونگ پھلی سب سے زیادہ کسے پسند ہے ؟ (بندر کو)

جناب سرجن بقائی

ڈاکٹر فرید الدین خاندانِ حکیم بقائی کے نام وَر فرزند ہیں۔ بڑے ماہر سرجن ہیں۔ حکیم صاحب کے جگری دوست ہیں۔

حکیم صاحب کے مشورے پر انھوں نے اپنی بڑی جائداد قوم کے نام وقف کر دی ہے۔

یہ بڑی قابلِ قدر بات ہے۔

وہ ایک میڈیکل کالج بنا رہے ہیں۔ انھوں نے اعلان کیا ہے کہ یہ ہمدرد یونی ورسٹی کی میڈیکل فیکلٹی ہوگی۔ عمارات تیار ہیں۔ آج بچوں سے بقائی صاحب نے بھی بڑی دل چسپ باتیں کیں اور بچوں کو خوب ہنسایا۔ ان کو صحت مند رہنے کا مشورہ دیا۔ ان کی باتیں سبق آموز تھیں۔

جناب ڈاکٹر بقائی نے کہا کہ بچوں کو چاہیے کہ وہ حکیم صاحب کی طرح اپنی زندگی بنائیں اور وقت کی پابندی میں بھی حکیم محمد سعید کی پیروی کریں۔

جناب اطہر صدیقی نے اپنی تقریر میں بچّوں کو بڑی اچھی اچھی باتیں بتائیں۔ مثلاً انھوں نے کہا:

- ہر چیز کو غور سے دیکھا کرو۔
- زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کرو۔
- وقت کی پابندی بڑی چیز ہے۔
- محنت سے انسان کام یاب ہوتا ہے۔
- دیانت بہت بڑی خوبی ہے۔

سال گرہ

نونہالانِ ہمدرد، جن کے کارڈ ہمارے پاس ہیں، اُن کی کھوج سے پتا چلا کہ آج ۱۷ر اکتوبر کو ذی شان ظفر کی سال گرہ ہے۔ حکیم صاحب کی ہدایت پر ایک کیک تیار ہوا اور ذی شان ظفر نے یہ کیک کاٹ کر بزمِ ہمدرد نونہال میں نونہالانِ ہمدرد کے ساتھ اپنی سال گرہ منائی۔

ترانۂ محبت و احترام

تقریب کے آخر میں جیکب لائن اسکول کے نونہالوں نے دو ترانے پیش کیے، جن کو تمام نونہالوں نے بڑی دل چسپی سے سنا۔

انعامات

جناب حکیم محمد سعید نے نونہالان ہمدرد کے لیے بڑی خوب صورت گھڑیاں تیار کرائی ہیں۔

اِن پر حکیم صاحب کا قول لکھا ہوا ہے:

آؤ پاکستان سے محبّت کریں
آؤ پاکستان کی تعمیر کریں

تقریری مقابلے میں حصّہ لینے والے چاروں نونہالوں نے انعامات حاصل کیے۔

کوئز مقابلے میں حسبِ ذیل نونہالوں نے انعامات حاصل کیے :-

۱۔ عائشہ ظہیر ۔۲۔ سعد بن عمر ۔۳۔ عمران اعظم ۔ ۴۔ گلنار شمشاد

کلماتِ تشکّر

آخر میں مسعود احمد برکاتی نے نونہالان ہمدرد کا دلی شکریہ ادا کیا اور اُن کو کچھ کام کی باتیں بتائیں۔

امّی، یہ ہمارا پروگرام ہے

جناب حکیم صاحب نے آخر میں چائے پر نونہالوں سے اور اُن کی اُستانیوں اور والدین سے باتیں کیں۔ وہ اپنے نونہالوں میں گھُل مل گئے۔ بعض ماؤں نے کہا کہ یہ بچّے کہتے ہیں کہ بزمِ ہمدرد نونہال ہمارا پروگرام ہے۔ ہم اس میں جا کر رہیں گے۔ حکیم صاحب نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ اللہ نے ان کو توفیق عطا فرمائی ہے کہ وہ نونہالانِ وطن کو عظیم پاکستانی بنانے کی جدوجہد کر رہے ہیں۔

اخبار نونہال

ٹیلے فون ترجمہ بھی کیا کرے گا

ٹیلے فون سے کتنا آرام ہے، لیکن انسان کو ہمیشہ آگے بڑھنے اور زیادہ سے زیادہ آسانیاں پیدا کرنے کی فکر رہتی ہے ۔ اسی جذبے نے انسان کو اتنی ترقی دی ہے اور دنیا کو اتنا خوب صورت بنا دیا ہے۔ جاپان والے اب اس کوشش میں ہیں کہ آپ کسی ایسے آدمی کو ٹیلے فون کریں جو آپ کی زبان نہ جانتا ہو تو ٹیلے فون خود اس زبان میں ترجمہ کر دے ۔ اس سلسلے میں امریکا اور یورپ کی مختلف یونی ورسٹیوں میں بھی کام کیا جا رہا ہے اور وہ دن دُور نہیں جب آپ اپنے جاپانی دوست سے ٹیلے فون پر اردو میں بات کر سکیں گے ۔

مرسلہ: ثمرہ نعیم، کراچی

مضبوط ترین پھیپھڑے

ایک امریکی نوجوان فریک کا دعوا ہے کہ وہ دنیا بھر میں سب سے زیادہ مضبوط پھیپھڑوں کا مالک ہے۔ یہ نوجوان ایک نالی کی مدد سے ایک ہی سانس میں دو انتہائی سخت قسم کے غباروں کو فٹ بال کے سائز میں پھلا دیتا ہے۔ فریک اس عمل سے امریکا کے نوجوانوں کی توجہ بنا ہوا ہے ۔

مرسلہ: امین صدرالدین بھایانی، کراچی

عجیب و غریب چشمہ

اٹلی میں آرمیا کے قریب ایک ایسا چشمہ ہے جس کا پانی سردیوں میں اتنا گرم ہوتا ہے کہ اس میں سے بھاپ اٹھتی ہے اور گرمیوں میں وہی پانی برف کی طرح ٹھنڈا ہوتا ہے۔ مرسلہ: کاشف ابوبکر، سعودی عرب

خوشبو والی مسجد

مراکش میں ایک ایسی مسجد واقع ہے جس کے میناروں سے آج بھی بھینی بھینی خوشبو آتی رہتی ہے۔ یہ مسجد مراکش کے فرماں روا یعقوب المنصور نے اسپین کے بادشاہ انفانسو ہشتم کو الاکو کے مقام میں شکست دینے کی یاد میں تعمیر کروائی تھی۔ گارے میں مشک کی ۹۶۰ بوریاں ڈالی گئی تھیں تاکہ وہ خوشبودار ہو جائے۔

مرسلہ: غزالہ سراج، کراچی۔

آج کا نونہال - کل کا دانشور

اسے تیار کیجیے کہ فکر و شعور کا اُجالا کر سکے

قوموں کو جہالت کے اندھیروں سے نکالنے کے لیے اس کے دانش ور اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ آپ کا یہ ننھا منا بچہ وطنِ عزیز کے روشن مستقبل کا امین ہے۔ اسے اللہ تعالیٰ نے بے شمار صلاحیتوں سے نوازا ہے۔ اس میں ایک بڑی شخصیت پوشیدہ ہے... ہوسکتا ہے کل یہ ایک دانشور کی حیثیت سے ملک و ملّت کے لیے مشعل راہ بنے۔

اس کی صلاحیتوں کو ابھارنے اور شخصیت کو نکھارنے کی ذمہ داری آپ پر ہے۔ اس ذمہ داری کو خوش اسلوبی سے پورا کیجیے۔ اپنے بچے کی پرورش نہایت محنت، محبت اور توجہ سے کیجیے تاکہ کل یہ ایک مضبوط و توانا جسم، بہتر تعلیم اور صحت مند ذہن کے ساتھ وطنِ عزیز میں فکر و شعور کا اجالا کر سکے۔

نونہال ہربل گرائپ واٹر بچوں کی تکالیف مثلاً بدہضمی، قبض، اپھارہ، اسہال، قے، بے خوابی، پیاس کی شدّت وغیرہ کے لیے مفید و مؤثر دوا ہے۔ دانت آنے کے زمانے میں اس کا استعمال ضروری ہے۔

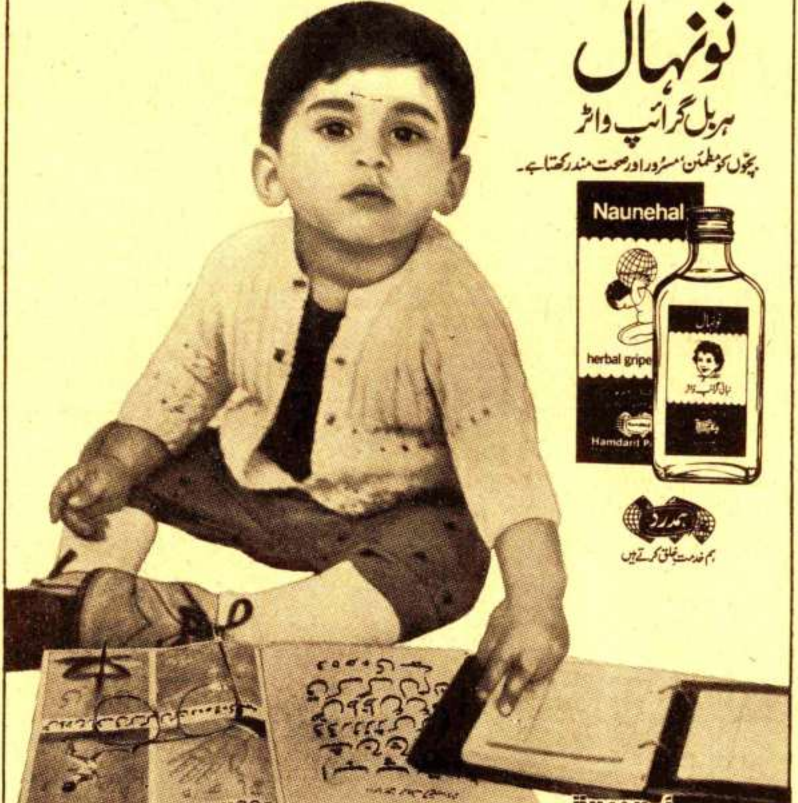

آوازِ اخلاق

نصیحت تو دانش مند لوگ ہی قبول کیا کرتے ہیں

Adarts 2/84

سلسلہ وار ناول

ٹکڑا نمبر ۴

وارث کی تلاش

مناظر صدیقی

طارق اور حبیب نے پرانی حویلی میں خزانے کی تلاش کے لیے ایک باقاعدہ پروگرام بنالیا تھا۔ طارق صبح سویرے اُٹھ کر باغ کی صفائی، ابو کے کمرے کی صفائی، پودوں کے پاس سے گھاس صاف کرنے، مرغیوں کو دانہ پانی دینے کا کام شروع کر دیتا۔ دس بجے تک اُسے ان تمام کاموں سے فرصت ہو جاتی۔ پھر وہ ناشتا کرتا، پھر کبھی مٹّو کو ساتھ لے کر اور کبھی تنہا ہی حبیب کے گھر چلا جاتا۔ جہاں پریل اُسے گھوڑے کی سواری سکھاتا۔ پریل کا کہنا تھا کہ طارق اس کا سب سے اچھا شاگرد ہے۔ اب تک اُس نے جتنے بچوں کو گھوڑے کی سواری سکھائی ہے، طارق اُن سب سے زیادہ ذہین ہے۔ وہ جلد ہی اچھا شہ سوار ہو جائے گا۔ اُسے روزانہ گیارہ بجے تک گھوڑے کی سواری کا موقع ملتا۔ گیارہ بجے سے بارہ بجے تک طارق حبیب کو سائیکل چلانا سکھاتا تھا، کیوں کہ حبیب کو اُس کے ابو اور امی نے سائیکل نہیں دلائی تھی۔

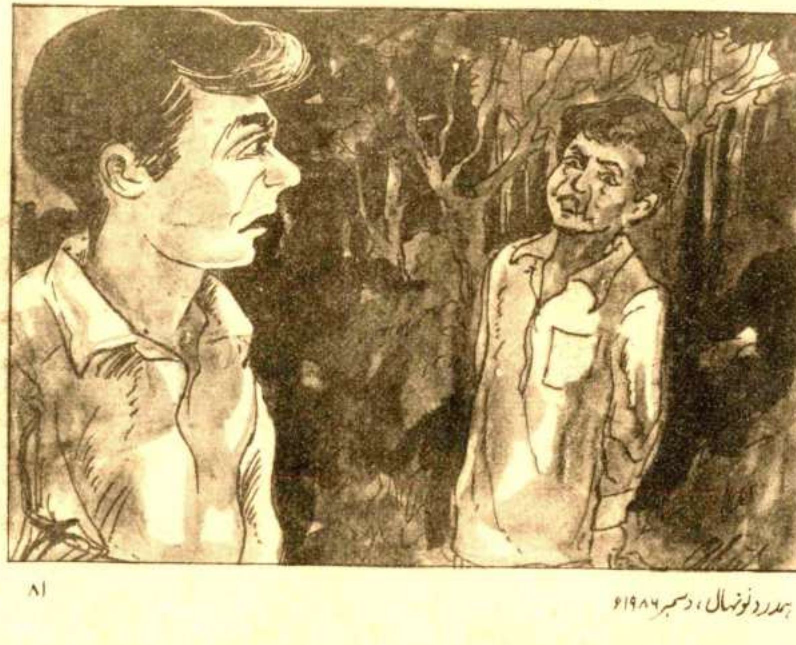

اُنھیں خطرہ تھا کہ حبیب سائکل سے گر بھی سکتا ہے اور کہیں ٹکرا بھی سکتا ہے۔ اس لیے حبیب کو سائکل چلانا نہیں آتی تھی۔ اب وہ طارق سے سائکل چلانا سیکھ رہا تھا۔ ۱۲ بجے کے بعد دونوں دوست شام کے ہلکے پھلکے ناشتے کے بہانے گھر سے کھانے پینے کی چیزیں لے کر جمیل کے پاس چلے جاتے تھے۔ طارق کے اسکول میں تو خیر چھٹّیاں تھیں ہی، لیکن حبیب کو اب تک کسی اسکول میں داخل نہیں کرایا گیا تھا۔ حبیب کے والدین بہت امیر تھے۔ انھوں نے حبیب کو کراچی کے سب سے بہترین اسکول میں داخل کرایا تھا جہاں اُسے پڑھائی کے علاوہ تیرنا، گھُڑسواری اور ایسی ہی بہت سی چیزیں سکھائی گئی تھیں، لیکن حبیب کی صحت کراچی میں ٹھیک نہیں رہتی تھی۔ ڈاکٹروں نے آب وہوا تبدیل کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ حبیب کے والد نے اُسے لندن بھیج دیا، لیکن وہاں بھی اس کی صحت بہتر نہیں ہوئی، چناں چہ انھوں نے وہاں سے حبیب کو واپس بلاکر اس گاؤں میں چھوڑ دیا تھا۔ اس کی دیکھ بھال کے لیے ایک اتالیق بھی رکھ دیا تھا، کیوں کہ حبیب کی امّی اکثر ابّو کے ساتھ دوسرے ملکوں کے دَوروں پر جاتی رہتی تھیں۔ اپنے ملک میں بھی ہوتیں تو کبھی اُنھیں گھر پر رہنے کا موقع نہیں ملتا۔ کبھی کسی جلسے میں شرکت کررہی ہوتیں تو کبھی کسی دوسرے جلسے میں۔ حبیب چوں کہ اکلوتا تھا۔ اس لیے اس کا اصل مسئلہ یہ تھا کہ وہ کس کے ساتھ کھیلے۔ امّی کی مصروفیات کی وجہ سے حبیب کی دیکھ بھال کے لیے پہلے آیا رکھی گئی پھر کچھ بڑا ہوا تو ایک اتالیق رکھ لیا گیا، لیکن کوئی بھی اُسے کسی بچّے کے ساتھ نہیں کھیلنے دیتا تھا۔ اس گاؤں میں آنے سے کچھ ہی دن پہلے ابّو نے پُرانے اتالیق کو الگ کر دیا تھا۔ اب جو اتالیق تھے ان سے حبیب بہت خوش تھا، کیوں کہ انھوں نے ابھی تک طارق سے ملنے، اس سے دوستی کرنے اور اس کے ساتھ گھومنے پھرنے سے نہیں روکا تھا۔ ان کا نام حامد علی تھا۔ شروع میں تو حبیب انھیں حامد صاحب کہتا تھا، لیکن حامد صاحب نے اُسے سمجھایا تھا کہ وہ حامد صاحب کہنے کے بجائے حامد بھائی کہا کرے، چناں چہ اب وہ اُنھیں حامد بھائی کہنے لگا تھا۔ اس گاؤں میں آنے کے بعد حامد بھائی نے اُسے بتایا تھا کہ وہ جلد ہی اُسے گاؤں کے اسکول میں داخل کرادیں گے اور شہر سے ایک استاد کو بھی بلالیں گے، جو اسکول کے بعد حبیب کو پڑھا سکے۔ بہرحال ابھی تو حبیب کے پاس فرصت ہی فرصت تھی۔

طارق ابّو کے کمرے کی صفائی کے بعد پودوں کی دیکھ بھال کے لیے باہر جانا چاہتا ہی تھا کہ امّی نے اُسے آواز دے کر اپنے پاس بُلایا اور کہا:

" طارق! میں کچھ سودا لینے کے لیے گاؤں تک جارہی ہوں۔ اتنی دیر میں اپنے کام کے ساتھ ساتھ مُنّو کا خیال بھی رکھنا۔ نعمت خانے میں بسکٹ، دودھ اور سنگتروں کا رس رکھا ہے۔ تمھارا ناشتا بھی

تیار ہے۔ تم دونوں بھائی ان میں سے جو چیز چاہو کھا سکتے ہو، لیکن مُٹّو کا خاص خیال رکھنا، بلکہ بہتر یہ ہے کہ تم اُسے اپنے ساتھ ہی رکھو، ورنہ وہ گھر میں اودھم مچائے گا۔"

امّی کی ہدایت سُن کر طارق مُٹّو کو ساتھ لینے کے لیے مُٹّو کے کمرے کی طرف دوڑا۔ اُس وقت مُٹّو پلنگ پر اُچھل رہا تھا۔

"آؤ مُٹّو، جوتے پہن لو۔ ہم چل کر باغ کی گھاس صاف کریں گے۔" طارق نے کہا۔

"میں دُوتے نہیں پہنوں دا۔ ننگے پیر چلوں گا (میں جوتے نہیں پہنوں گا۔ ننگے پیر چلوں گا)" مُٹّو نے جواب دیا۔

"تم تو میرے اچھے اچھے پیارے پیارے بھائی ہو نا! جلدی سے جوتے پہن لو!" طارق نے اُسے سمجھانے کی کوشش کی۔

"نئیں ..... نئیں ..... نئیں!" مُٹّو نے ضِد کی۔

"اچھا بابا! چلو ننگے پیر چلو۔ ضِد تو مت کرو۔" طارق نے ہار مانتے ہوئے کہا۔

ذرا دیر بعد طارق پودوں کی صفائی اور خُودرَو گھاس اکھاڑنے میں مصروف ہو گیا۔ مُٹّو اس کے سامنے ہی کھیل رہا تھا۔ اُس کے ہاتھ میں ایک لکڑی تھی۔ وہ اس لکڑی کی گاڑی بنائے ہوئے تھا۔ کھیلتے کھیلتے وہ کچھ دُور نکل گیا۔ اس جگہ گھاس کچھ زیادہ ہی بڑی ہو گئی تھی۔ مُٹّو کو نہ جانے کیا سوجھی کہ وہ لکڑی کو گاڑی بنا کر کھیلنے کے بجائے لاٹھی کی طرح لکڑی کو گھاس پر مارنے لگا۔ طارق نے ایک نظر اُس کی طرف دیکھا اور اُسے کھیلتا دیکھ کر اپنے کام میں مصروف ہو گیا، لیکن زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ اُسے مُٹّو کی چیخ سنائی دی، جیسے وہ کسی مصیبت میں پھنس گیا ہو۔ یُوں بھی مُٹّو کی شرارتوں کی وجہ سے اُس پر کوئی نہ کوئی مصیبت آتی ہی رہتی تھی۔

"کیا ہوا؟" طارق نے چیخ کر پوچھا۔

مُٹّو چیختا اور لنگڑاتا ہوا اس کی طرف آ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو بھرے تھے۔ طارق اپنا کام چھوڑ کر مُٹّو کی طرف بڑھا۔

"کیا ہُوا۔ کیا ہو گیا۔ کیسے چوٹ لگی ہے؟" طارق نے گھبرا کر پوچھا۔

"نئیں ...،" مُٹّو نے مختصر جواب دیا۔

"پھر کیا ہوا؟"

"دہاں چھانپ تھا۔ میں نے اُسے پتڑ لیا۔ لیتن اُس نے مجھے تاٹ لیا۔" (وہاں سانپ تھا۔ میں نے اُسے

پکڑ لیا لیکن اس نے مجھے کاٹ لیا۔"

مٹو نے توتلا کر بتایا۔ طارق نے اس کا پیر دیکھا تو واقعی وہاں اُس کے انگوٹھے سے خون بہ رہا تھا۔

"کیسا سانپ تھا؟" طارق نے پوچھا تاکہ اندازہ لگا سکے کہ کس قسم کے سانپ نے کاٹا ہے۔

"بلا کھوب صورت تھا۔ لال۔ لال۔ اس پر سفید سفید رُوپے بنے تھے (بڑا خوب صورت تھا۔ لال۔ لال۔ اس پر سفید سفید رُپے بنے ہوئے تھے) مُٹو نے بتایا۔ طارق نے سوچا یہ تو یقیناً زہریلا سانپ ہوتا ہے۔ اب اُسے اپنے آپ پر غصہ آنے لگا کہ اُس نے مُٹو کو ننگے پیر کیوں آنے دیا۔ اُس کی ضد کیوں پوری کر دی، لیکن اپنے آپ پر غصہ کرنے کا وقت نہیں تھا۔ اُسے فوراً کچھ کرنا تھا۔ اُسے معلوم تھا کہ سانپ کے کاٹنے پر کیا کرنا چاہیے۔ طارق نے جلدی سے اپنی جیب سے رومال نکالا اور مُٹو کے ٹخنے کے پاس پوری طاقت سے کس کر باندھ دیا تاکہ زہر نہ پھیل سکے۔ پھر اس نے مُٹو کو گود میں اُٹھا لیا اور گھر کی طرف بھاگا۔ مٹو کو اتنی زور سے پیر کس کر باندھنے سے تکلیف ہو رہی تھی۔ اس نے رونا شروع کر دیا تھا۔ ساتھ ساتھ جہاں سانپ نے کاٹا تھا وہاں شدید جلن بھی ہونے لگی تھی۔ اس لیے اب وہ چیخ چیخ کر رو رہا تھا۔ گھر میں گھستے ہی طارق نے مٹو کو ایک بنچ پر لٹا دیا اور دوڑ کر ابو کا شیونگ کا سامان نکال لیا۔ اس میں سے ایک نیا بلیڈ نکالا اور انگوٹھے پر جہاں سانپ نے کاٹا تھا وہاں اُس نے بلیڈ سے چیرا لگا دیا۔ پھر اُس نے زخم پر منہ رکھ کر خون چوسا اور فرش پر تھوک دیا۔ یہ ابتدائی طبی امداد کا طریقہ تھا۔ طارق، مُٹو کو تنہا چھوڑ کر کسی کو مدد کے لیے بلانے بھی نہیں جاسکتا تھا۔ اس لیے اب اس کے پاس صرف یہی ایک طریقہ تھا کہ جتنی جلد ہو سکے سانپ کا زہر چوس چوس کر زمین پر تھوکتا رہے، تاکہ زہر بدن میں پھیلنے نہ پائے۔ دل ہی دل میں وہ دعائیں مانگ رہا تھا کہ امی واپس آجائیں یا کم از کم حبیب ہی آجائے تاکہ کسی طرح گاؤں سے ڈاکٹر کو بلایا جا سکے۔

سچے دل سے مانگی ہوئی دعا ضرور قبول ہوتی ہے۔ طارق کو پہنچنے میں دیر ہوئی تو حبیب خود وہاں پہنچ گیا۔ اُس نے مُٹو کو اس طرح لیٹے ہوئے اور طارق کو خون چوستے ہوئے دیکھا تو پریشان ہو گیا۔ طارق نے منھ کا زہر آلود خون تھوک کر اُس سے کہا۔

"مُٹو کے سانپ نے کاٹ لیا ہے۔ کسی کو بھیج کر گاؤں سے ڈاکٹر صاحب کو بلواؤ۔"

حبیب فوراً ہی واپس لوٹ گیا اور اپنے ایک ملازم کو بھیج کر ڈاکٹر کو بلوایا۔ جب تک ڈاکٹر صاحب پہنچیں طارق زہر چوس کر تھوکتا رہا۔ حبیب بھی لوٹ آیا تھا۔ اور حیرت سے طارق کو دیکھ رہا تھا۔ فرش پر خون پڑا تھا۔ جسے دیکھ دیکھ کر حبیب کا رنگ سفید پڑ گیا تھا۔ اُسے کبھی ایسا اتفاق نہیں ہوا تھا کہ اُس کے سامنے

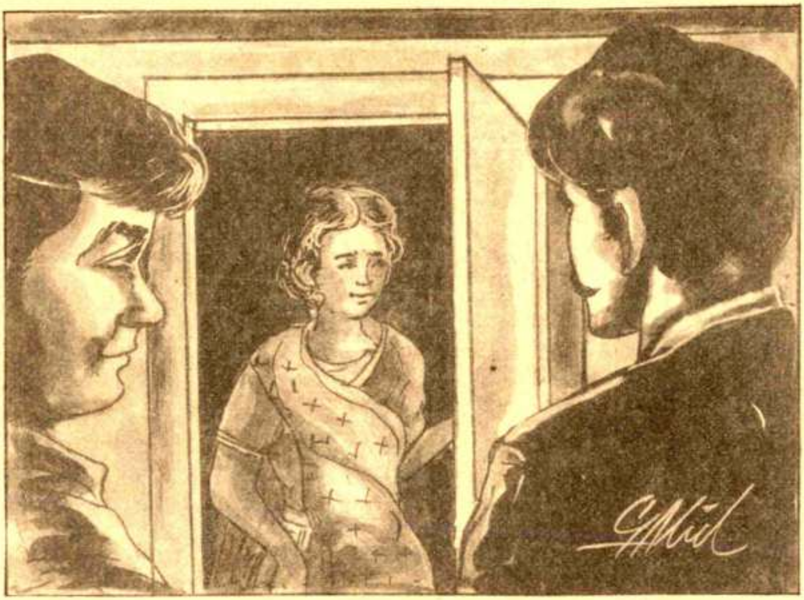

کسی کو سانپ نے کاٹا ہو اور اسے بچانے کے لیے کسی نے یہ طریقہ اختیار کیا ہو۔

تھوڑی دیر میں ڈاکٹر صاحب بھی پہنچ گئے۔ انھوں نے آکر منّو کا معائنہ کیا۔ اسے ایک انجکشن لگایا۔ زخم پر پٹّی باندھی۔ اس کے بعد انھوں نے طارق سے کہا۔

"ذرا اپنا منھ تو کھولو۔"

طارق نے منھ کھول دیا۔ ڈاکٹر صاحب منھ کے اندر ٹارچ کی روشنی ڈال کر معائنہ کر ہی رہے تھے کہ اتنے میں طارق کی امّی بھی پہنچ گئیں۔ انھوں نے منّو کو لیٹے ہوئے اور ڈاکٹر کو کھڑے دیکھا تو پریشان ہو گئیں۔

"خیریت تو ہے؟" امّی نے گھبرا کر پوچھا۔

"اب تو خیریت ہی ہے۔" ڈاکٹر صاحب نے مسکرا کر کہا، "آپ کے چھوٹے بیٹے کے پیر میں سانپ نے کاٹ لیا تھا، لیکن آپ کا بڑا بیٹا۔ کیا نام ہے ان کا؟"

"طارق"۔ امّی نے بتایا۔

"ہاں تو میاں طارق نے اس وقت وہ کام کیا ہے جو بعض اوقات اچھے خاصے آدمی بھی نہیں کر پاتے۔" ڈاکٹر صاحب نے طارق کی تعریف کرتے ہوئے کہا۔ "طارق میاں نے میرے پہنچنے سے پہلے ہی زہر پھیلنے

سے روکنے کے لیے بند بھی باندھ دیا تھا اور بلیڈ سے زخم کاٹ کر زہر چوس چوس کر تھوکنا شروع کر دیا تھا۔ میں جب پہنچا ہوں اُس وقت تک تقریباً تمام ہی زہر نکل چکا تھا، البتہ خون بھی بہت بہا ہے، جس کی وجہ سے بچے کو کئی دن تک کمزوری رہے گی۔ ہوسکتا ہے کمزوری سے بخار بھی آ جائے۔ میں نے طارق میاں کے منھ کا معائنہ بھی کر لیا ہے، کیوں کہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ سانپ کا زہر چوسنے سے چوسنے والے کے منھ میں زخم ہو جاتے ہیں۔ اگر زخم ہو جائیں تو زہر چوسنے والے کے لیے خطرہ ہوسکتا ہے، لیکن طارق میاں کے منھ میں کوئی زخم نہیں پھر بھی میں ان کے لیے بھی کچھ گولیاں دے رہا ہوں۔ منّے میاں کے لیے بھی دوائیں دے رہا ہوں۔ فکر کی کوئی بات نہیں ہے۔ بس یہ کوشش کیجیے کہ یہ لیٹے رہیں۔ ہوسکتا ہے کہ بچّے کو رات تک بخار خاصا تیز ہو جائے، لیکن اس سے گھبرائیں نہیں۔ بس انھیں گرم رکھنے کی کوشش کریں۔ فوری طور پر گرم گرم کافی پلا دیں ... اچھا خدا حافظ۔"

ڈاکٹر صاحب تو ہدایتیں دے کر چلے گئے، لیکن طارق کو ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس کے بدن میں جان ہی نہ رہ گئی ہو۔ وہ مُنّو کی اس تکلیف کا ذمہ دار خود کو سمجھ رہا تھا۔ اُس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ پیر کانپ رہے تھے۔ اسے ڈر تھا کہ امی اسے ضرور ڈانٹیں گی کہ اُس نے مُنّو کا ٹھیک طرح خیال نہیں رکھا۔ حبیب بھی اس کے برابر ہی کھڑا تھا۔ اس کا رنگ اب بھی سفید ہو رہا تھا۔ امی کی نظر طارق پر پڑی تو اُنھوں نے اُسے اپنے قریب بلا کر لپٹا لیا۔ امی کا لپٹانا تھا کہ طارق پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ روتے روتے اُس نے کہا:

"امی! سب میرا قصور ہے۔ میں نے مُنّو کی ضد پوری کر دی۔ اُس نے کہا تھا کہ وہ ننگے پیر ہی باہر جائے گا۔ مجھے اس کی ضد پوری نہیں کرنی چاہیے تھی۔ یہ میری غلطی تھی۔" پھر وہ اور زور سے رونے لگا، جیسے اُسے اپنے آنسوؤں پر قابو ہی نہیں رہا ہو۔ امی نے اپنے دوپٹے سے اس کے آنسو پونچھتے ہوئے کہا:

"تم بلاوجہ پریشان ہو کر رو رہے ہو۔ اب تو مُنّو کو کوئی خطرہ نہیں۔ تم نے تو ایک بہت بڑا کارنامہ انجام دیا ہے۔ تم نے مُنّو کی جان بچائی ہے۔ خدا کی مرضی شاید یہی تھی کہ مُنّو کو یہ تکلیف ہو، لیکن اب تم رو رو کر اپنے آپ کو ہلکان نہ کرو۔ مُنّو کے پاس بیٹھو میں کافی بنا کر لاتی ہوں۔"

"آپ بیٹھیے، کافی میں بنا لاؤں گا۔ مجھے کافی بنانی آتی ہے۔" حبیب نے کہا اور کوئی جواب سُنے بغیر باورچی خانے کی طرف چلا گیا۔ طارق کے ساتھ وہ پورا مکان تو پہلے ہی دیکھ چکا تھا۔ باورچی خانے تک پہنچنے میں اُسے کوئی دشواری نہیں ہوئی۔ تھوڑی ہی دیر بعد وہ گرم گرم کافی بنا لایا۔ اس وقت اُس کے چہرے پر ایسا اطمینان تھا جیسے کافی بنا کر اُس نے اپنے دوست کی تکلیف میں اس کا ہاتھ بٹایا ہے۔

صحّت مند نونہال

امتیاز حسین، کراچی

نعمان محمد یونس، کراچی

ثروت نورین انصاری، لطیف آباد

گل ناز، ہری پور ہزارہ

فیصل محمد یونس، کراچی

طارق علی قریشی، میرپور خاص

ارم ضمیر، کراچی

فہیم خاں، کراچی

مظہر کریمی، کراچی

سید معز انوار، کراچی

ضیاء الرحمن فرخ، اسلام آباد

ندا آفرین، کراچی

فاروق احمد نگسی، کراچی

وقار الہدیٰ نجمی، کراچی

● ایک آدمی نے اپنا نیا مکان بنوایا۔ دوسرے دن اس نے دیکھا کہ مکان کی دیوار پر لکھا تھا، "ظفر عامر کو رہا کرو"۔ اس آدمی نے عبارت پر رنگ بھروا دیا۔ دوسرے دن دیوار پر پھر وہی عبارت لکھی تھی۔ کئی دن وہ رنگ کرواتا رہا اور لکھنے والا لکھتا رہا۔ آخر تنگ آکر مالک مکان نے دیوار پر لکھوا دیا، ظفر عامر یہاں بند نہیں ہے۔

مرسلہ: افشین ابراہیم، لیاقت آباد

● ماں: (بیٹی سے) اب تم باہر نہیں جایا کرو۔ پانی میں باہر سے لے آیا کروں گی، کیوں کہ اب تم بڑی ہو گئی ہو۔

بیٹی: امی جب آپ بڑی ہو جائیں گی تو پھر کون پانی بھرنے جایا کرے گا۔

● استاد: (شاگرد سے) پانچ اور پانچ کتنے ہوتے ہیں؟

شاگرد: دس

استاد: شاباش، یہ لو دس رُپے تمھارا انعام۔

شاگرد: (اداس ہو کر) کاش میں پانچ اور پانچ، سو کہہ دیتا۔ (ذکیہ سلطانہ مغل، حبیب آباد، سندھ)

● ایک گھڑ سوار گھوڑے سے گر پڑا۔ اُس کی ٹانگ ٹوٹ گئی۔ گھوڑے نے اُسے مُنھ سے پکڑا اور ڈاکٹر کے پاس لے گیا۔

"تمھارا گھوڑا تو بہت عقل مند ہے۔"

"نہیں اتنا عقل مند نہیں ہے کم بخت۔ مجھے جانوروں کے ڈاکٹر کے پاس لے گیا تھا۔"

● دو کاروباری حضرات آپس میں گفتگو کر رہے تھے۔ ایک نے کہا، "تمھیں معلوم ہے اشتہار دینے کا نتیجہ کتنی جلدی ظاہر ہو جاتا ہے۔"

"معلوم ہے۔" دوسرے نے کہا۔

"پرسوں میں نے اخبار میں چوکیدار کی ضرورت کا اشتہار دیا اور کل ہمارے گھر میں چوری ہو گئی۔"

مرسلہ: محمد جمیل عمران، بہاول نگر

● ریلوے اسٹیشن کے ویٹنگ روم میں ایک عورت اپنے بچّے کو گود میں لیے بیٹھی رو رہی تھی۔ ریلوے کے ایک ہمدرد افسر نے وجہ دریافت کی تو وہ آنسو بہاتے ہوئے بولی، "دیکھیے جناب! یہاں جو کوئی بھی شخص آتا ہے میرے بچّے کو بدصورت کہہ کر مجھے پریشان کرتا ہے۔" "بہت سنگ دل ہیں لوگ، آپ اِن کی باتوں کی پروا نہ کیجیے۔ ویسے چائے پیجیے گا؟" افسر نے ہمدردی جتاتے ہوئے کہا۔ "بہت شکریہ! میں واقعی چائے کی طلب محسوس کر رہی تھی۔" عورت نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔ "میں چائے لاتا ہوں، اتنے میں آپ اپنے لنگور کو یہ کیلا کھلا دیں۔" افسر یہ کہتے ہوئے ویٹنگ روم سے نکل گیا۔

● عارف اِسکول سے گھر آیا تو پیٹ میں تکلیف سے دُہرا ہوا جا رہا تھا۔ ماں نے کہا، "چائے کے ساتھ بسکٹ وغیرہ کھا لو۔" "درد اس لیے ہو رہا ہے کہ تمھارا پیٹ خالی ہے، اس میں کچھ ہوگا تو درد نہیں ہوگا۔" عارف نے ماں کی ہدایت پر عمل کیا تو پیٹ کا درد جاتا رہا۔ شام کو اُس کے ابّو دفتر سے آئے تو آتے ہی سر درد کی شکایت کرنے لگے۔ "ڈیڈی! میں جانتا ہوں آپ کا سر کیوں دُکھ رہا ہے۔" عارف نے سمجھاتے ہوئے کہا، "یہ اندر سے خالی ہے، اس میں کچھ ہوگا تو درد نہیں ہوگا۔"

● ایک لوہار نے اپنے ایک شاگرد کو ہتھوڑی بنانے کا حکم دیا۔ شاگرد کو معلوم نہیں تھا کہ ہتھوڑی کس طرح بنائی جاتی ہے۔ اس نے استاد کی نظروں میں سُرخ رُو ہونے کے لیے بازار سے ایک ہتھوڑی خرید کر اُس کی خدمت میں پیش کر دی۔ "بہت خوب۔" استاد ہتھوڑی دیکھتے ہوئے بولا۔ "ایسی پچاس ہتھوڑیاں اور تیار کر دو۔"

● فوجی افسر (سپاہی سے): "رائفل صاف کرنے سے پہلے کیا کرنا چاہیے۔"

سپاہی: "بندوق کا نمبر چیک کر لینا چاہیے۔"

افسر: "وہ کیوں؟"

سپاہی: "تاکہ کسی دوسرے کی رائفل صاف نہ ہو جائے۔"

● پہلا دوست: میں جب داداجان کی تلوار دیکھتا ہوں تو میرا دل لڑائی پر جانے کو چاہتا ہے۔

دوسرا دوست: تو پھر جاتے کیوں نہیں؟

پہلا دوست: کیا کروں اس کے فوراً بعد اُن کی لکڑی کی ٹانگ یاد آجاتی ہے۔

● تاجر نے اپنے ایک گاہک کو خط لکھا، "اگر آپ پُرانے بل ادا فرما دیں تو ادارہ آپ کا ممنون ہوگا۔" گاہک نے خط کے جواب میں لکھا، "آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ میں نے اپنے قرض خواہوں کی تین فہرستیں مرتّب کر رکھی ہیں۔ اوّل، جن کے بل فوراً ادا کیے جائیں گے۔ دوم، جن کے بل پھر کبھی ادا

کیے جائیں گے اور رسوم جن کے بل کبھی ادا نہیں کیے جائیں گے۔ آپ کو یہ جان کر خوشی ہو گی کہ آپ کے خط کے شائستہ لہجے کی وجہ سے آپ کے ادارے کا نام تیسری فہرست سے کاٹ کر دوسری فہرست میں درج کر دیا گیا ہے۔"

مرسلہ: عقیل احمد خاں، جمیل احمد خاں، ملیر۔

● شوہر: بیوی، تم اتنی اچھی روٹیاں نہیں پکا سکتیں، جتنی اچھی میری ماں پکایا کرتی تھیں۔

بیوی: اور تم بھی اتنا اچھا آٹا نہیں گوندھتے جتنا اچھا میرا باپ گوندھا کرتا تھا۔

● ایک کنجوس بحری جہاز میں سفر کرتا ہوا نیویارک کی بندرگاہ پر اُترا۔ ایک غوطہ زن پر نظر پڑی جو پانی سے نکل رہا تھا۔ کنجوس نے ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے کہا: "میں بھی کتنا بے وقوف ہوں۔ یہ خیال مجھے کیوں نہ آیا۔ مفت میں کرائے کے پیسے ضائع کیے۔"

مرسلہ: محمد انور قریشی، ٹنکاپور، سندھ

● ایک آدمی بہت دیر سے ایک دُکان کی طرف گھور رہا تھا۔ دُکان دار سے رہا نہ گیا۔ وہ جھنجھلا کر بولا: "آخر کیا چاہتے ہو؟"

اس آدمی نے جواب دیا: "موقع۔"

مرسلہ: محمد یونس ندیمؔ، کوٹ ادّو

● لڑکیوں کی طبّی تربیت کے دوران پرنسپل صاحب نے پوچھا، خانم تم بتاؤ اگر بچّہ چابی نگل جائے تو تم کیا کرو گی؟

"میں کھڑکی سے کود کر اندر چلی جاؤں گی۔"

● ایک آدمی (دوسرے سے) تو آپ ہی وہ شخص ہیں جس نے میرے ڈوبتے ہوئے بیٹے کو بچایا؟"

دوسرا آدمی: "وہ تو میرا اخلاقی فرض تھا۔"

پہلا شخص: گولی مارو فرض کو! بتاؤ میرے بچّے کی ٹوپی کہاں ہے جو اُس نے ڈوبتے وقت سر پر پہنی ہوئی تھی۔"

مرسلہ: شاذیہ احمد نور

● ایک صاحب نے پڑوس کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ خاتون خانہ باہر آئیں اور پوچھا، "فرمایئے۔"

"خاتون! آپ کی بلّی میری گاڑی کے نیچے آکر کچل گئی ہے۔ میں اس نقصان کی تلافی کے لیے حاضر ہوں۔"

"ٹھیک ہے! لیکن کیا آپ کو چوہے پکڑنے کا تجربہ ہے؟" مرسلہ: محمد عامر ایاز، لطیف آباد

○ برطانیہ کے مشہور سیاست داں اور وزیر اعظم لائڈ جارج تقریر کرنے کے لیے کھڑے ہوئے تو مجمع میں سے ایک شخص پکارا: "اسے دیکھو، یہ تقریر کرنے چلا ہے۔ اس کا باپ تو گدھا گاڑی ہانکتا تھا۔" لائڈ نے ایک نظر اُس شخص پر ڈالی اور پُرسکون انداز میں بولے "یہ شخص ٹھیک کہتا ہے، میرا باپ مر چکا ہے اور گاڑی نہیں رہی، مگر میں دیکھ رہا ہوں کہ گدھا اب بھی موجود ہے۔" مرسلہ: محمد سہیل خان، نارتھ ناظم آباد

○ استاد: بتاؤ خالد کان لگانے کے کیا معنی ہیں؟

خالد: معلوم نہیں سر، ہمارے کان تو لگے لگائے آئے تھے۔ مرسلہ: قاضی تنویر عبدالعزیز، نیو کراچی

نونہال مصوّر

وحید احمد بلوچ، سکھر

طاہر علی، کراچی

اسیہ صدف میمن، لاڑکانہ

انتخاب اسلم، پسنی

اسرار الحق خانزادہ، ٹنڈو جام

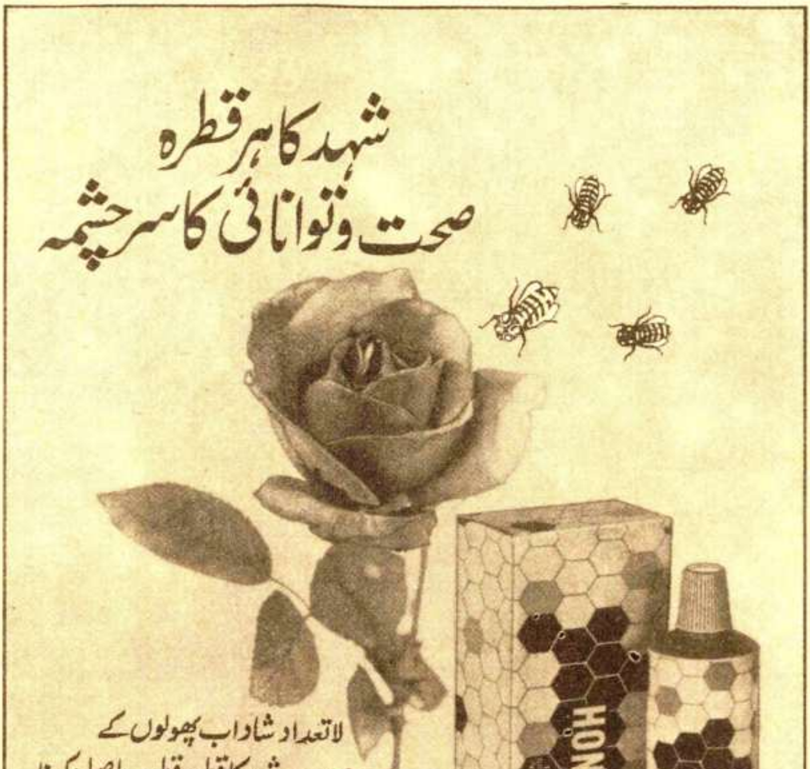

HMD/HNY-1/85 ADARTS

ڈھول شہزادہ

ابن آدم

چھوٹی سی سلطنت کا ایک بادشاہ تھا، جس کو جنون کی حد تک شکار کا شوق تھا۔ اس کا معمول تھا کہ منھ اندھیرے نکل جاتا۔ سارا دن شکار کھیلتا، جانوروں کا تعاقب کرتا۔ تاروں کی چھاؤں میں گھر لوٹتا اور تھکن سے چور بستر پر دراز ہو کر گہری نیند سو جاتا۔

ایک دن حسبِ معمول بادشاہ شکار کی غرض سے جنگل پہنچا تو ہرن کے ایک خوبصورت بچے پر نظر پڑی۔ اس نے فوراً اس کو نشانے پر رکھ لیا۔ بچّے کی بساط ہی کیا ہوتی ہے، تیر کھاتے ہی ڈھیر ہو گیا۔ بادشاہ گھوڑے سے اُترا اور جیب سے چاقو نکال کر اسے ذبح کرنے لگا لیکن اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب ہرن کا بچّہ دیکھتے ہی دیکھتے ایک خوب صورت لڑکے میں تبدیل ہو گیا بات یہاں تک ہی نہ تھی، چند قدم کے فاصلے پر غار سے ایک بوڑھا فقیر بھی نمودار ہوا۔ فقیر نے جب یہ منظر دیکھا تو جلال میں آگیا۔ بادشاہ کی نظر جب فقیر کے چہرے پر پڑی تو وہ کانپ اٹھا۔ اس

نے اندازہ لگالیا کہ یہ کوئی پہنچا ہوا بزرگ ہے اور ضرور اس سے کوئی بڑی غلطی سرزد ہوگئی ہے۔ بادشاہ فقیر کے قدموں میں جھک گیا اور کہنے لگا:

"سائیں! مجھ سے غلطی ہوگئی ہے۔ میں معافی کا خواست گار ہوں، مجھے قطعی علم نہ تھا کہ یہ آپ کا بیٹا ہے۔ میں اسے عام ہرن کا بچہ ہی سمجھا۔"

فقیر نے گرجتے ہوئے جواب دیا:

"او اندھے بادشاہ! لوگ کہتے ہیں کہ بادشاہ میں سات ولیوں کی طاقت ہوتی ہے لیکن تجھ میں تو خاک بھی نہیں۔ تیری قسمت پھوٹے، جا بیٹے کی قسمت کھا۔"

بادشاہ کے اولاد نہ تھی۔ وہ فقیر کی بات نہ سمجھ سکا تاہم پریشان ہو کر وہاں سے چل دیا۔ تمام راستے سوچتا رہا کہ خدا جانے کیا ہونے والا ہے۔ گھر پہنچا جس کا خطرہ تھا وہی بات ہوئی دیکھا کہ اس کا تمام خزانہ جل کر راکھ ہو چکا تھا۔ محل میں جس چیز کو ہاتھ لگاتا راکھ پلّے پڑتی، یہاں تک کہ کھانے پینے کی چیزیں بھی جل کر راکھ ہوگئیں۔

بادشاہ نے جب دیکھا کہ تقدیر پلٹ چکی ہے تو اس نے اپنی ملکہ سے کہا:

"اب ہمارے بُرے دن آگئے ہیں۔ اس ملک کو چھوڑ کر کسی اور جگہ قسمت آزماتے ہیں۔ یہاں رہے تو ذلت و رسوائی کے علاوہ اور کچھ نہ ملے گا۔ پردیس میں کِسے معلوم ہوگا کہ ہم کون ہیں اور کیا سے کیا ہوگئے ہیں۔ وطن سے دور کچھ تو بے کسی کی لاج رہ جائے گی۔ آخر زندگی تو گزارنی ہے۔"

غم زدہ ملکہ ساتھ چلنے کو تیار ہوگئی۔ دونوں نامعلوم منزل کی طرف روانہ ہوگئے۔ راستے میں ملکہ نے بادشاہ سے کہا، "آپ کے دوست یار تو بہت ہیں، کیوں نہ ان میں سے کسی کے ہاں جاکر قسمت آزمائی جائے۔ آخر وہ کس دن کام آئیں گے۔"

بادشاہ کو ملکہ کا یہ مشورہ بہت پسند آیا۔ وہ اسی حالت میں ایک حکمران دوست کی طرف چل دیے وہاں پہنچے تو دوست انہیں اس حال میں دیکھ کر بہت رنجیدہ ہوا۔ تباہ حال بادشاہ نے تمام ماجرا کہہ سُنایا۔ دوست نے بظاہر اس کی آؤ بھگت کی مگر دل میں ڈرنے لگا۔ کہتے ہیں قسمت کا مارا جس درخت کے نیچے بیٹھ جائے نحوست سے وہ درخت بھی سوکھ جاتا ہے۔ وہ اس خیال سے پریشان ہوا کہ کہیں بدنصیبی کے سائے اس کی حکومت پر بھی نہ پڑ جائیں۔ پھر بھی اس نے

ظاہری مروّت سے کام لیا اور ایک پر تکلّف دعوت سے ان کی مہمان داری کی۔ بادشاہ اور ملکہ جس پلنگ پر بیٹھے وہ جل کر خاک ہوگیا۔ کھانے پر ہاتھ ڈالا تو اس کا بھی یہی حشر ہوا۔ میزبان بادشاہ نے جب یہ حالت دیکھی تو اس نے دونوں کے پاؤں پکڑ لئے اور ہاتھ جوڑ کر کہنے لگا: "سائیں! معاف کرنا۔ اپنے ساتھ کہیں مجھے بھی در بدر نہ کر دینا۔"

بادشاہ نے کوئی شکوہ نہ کیا اور ملکہ کو ساتھ لے کر اسی وقت وہاں سے روانہ ہو گیا۔ بادشاہ کئی دوستوں کے ہاں گیا مگر جہاں جاتا بدبختی کے سائے اس کے استقبال کو موجود ہوتے۔ ایک دن اسے خیال آیا کہ ایک دوست رہ گیا ہے اُسے بھی آزما لیا جائے یہ سوچ کر اس کے پاس پہنچا اور اپنی رُودادِ غم اُسے سُنائی اور ساتھ ہی دوستوں کی بے وفائی اور توتا چشمی کا حال بھی بتایا۔ دُکھ بھری داستان سُن کر دوست کا دل بھر آیا اور آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے۔ کہنے لگا:

"سائیں! اللہ پر بھروسا رکھو۔ دن سدا ایک جیسے نہیں رہتے۔ ہم آپ کے ساتھ ہیں۔

دوست پُر خلوص تھا اس لئے اس نے بلا خوف ان کی خاطر مُدارت کی۔ خدا کی قدرت کہ مصیبت زدہ بادشاہ نے کھانا چُھوا تو کچھ نقصان نہ ہوا اور ملکہ نے بھی کھانے کو ہاتھ لگایا تو خیریت رہی۔ دونوں نے ایک عرصے کے بعد اپنے ہاتھوں سے کھایا اور خوب سیر ہوئے۔ نحوست کا کہیں نام و نشان نہ تھا، چناں چہ وہیں رہنے لگے۔

بادشاہ کو یہاں آئے تھوڑا ہی عرصہ ہوا تھا کہ ایک دن ملکہ نے بادشاہ کو خوش خبری سُنائی کہ اس کے ہاں بچّے کی پیدائش متوقع ہے۔ بادشاہ نے سنا تو بہت خوش ہوا۔ اُسے فقیر کی بات یاد آئی۔ گزرے دنوں کی بدحالی اور پریشان خیالی نے اس کے ایسے ہوش اُڑائے تھے کہ اسے کچھ بھی نہ سُوجھتا تھا۔

ایک صبح بادشاہ اپنے دوست کے ساتھ شکار پر گیا۔ اس نے دوست سے کہا:

"سائیں! اب شاید ہمارے دن پھرنے والے ہیں۔ میں اپنے ملک واپس جانے کی اجازت چاہوں گا۔" میزبان نے اُسے روکنا مناسب نہ سمجھا۔

بادشاہ رخصت ہونے لگا تو اس کے دوست نے بتایا:

"خدا ہمیں بھی اولاد سے نوازے گا۔ اگر ہمارے ہاں لڑکا اور لڑکی ہوئی تو ہم ان کی

شادی کر دیں گے، تاکہ ہماری دوستی زیادہ پختہ ہو جائے۔"
بادشاہ اپنے ملک میں آیا تو اس کی رعایا نے بے پناہ خوشی کا اظہار کیا اور جشن منایا۔ اس کا جلا ہوا خزانہ اصل صورت میں آ گیا۔ تمام پریشانیاں دور ہو گئیں۔ چند دنوں بعد بادشاہ کو خدا نے ایک بیٹے سے نوازا، جس کا نام ڈھول شہزادہ رکھا گیا۔
ڈھول شہزادہ تیزی سے عمر کی منزلیں طے کرتا ہوا جوان ہوا۔ باپ کی طرح شکار کا شوقین تھا بلکہ اس سے بھی چار قدم آگے۔ باپ تو تیر کمان سے شکار کرتا تھا۔ بیٹے نے نیزہ بھی استعمال کرنا شروع کر دیا۔ جب بھی وہ گھوڑے پر سوار ہرن کے سر پر پہنچتا اُسے زخمی کر کے ہی چھوڑتا۔ ڈھول شہزادے کی ایک عجیب عادت تھی کہ وہ صرف ہرن کا شکار کرتا تھا۔ ہرنیوں کو کچھ نہ کہتا۔ ہوتے ہوتے ایک وقت ایسا آیا کہ اس کے ملک میں کوئی ہرن باقی نہ رہا۔
ایک ہرنی جو جلد ہی ایک بچّے کو جنم دینے والی تھی اس نے سوچا اگر میرے ہاں ہرن پیدا ہوا تو ڈھول شہزادہ اسے زندہ نہ چھوڑے گا، کیوں نہ یہ ملک چھوڑ جاؤں۔ یہی ایک صورت ہے شہزادے کے ظلم سے بچنے کی۔ یہ سوچ کر اُس نے ڈھول شہزادے کے ملک کو الوداع کہا اور ایک انجانے سفر پر روانہ ہو گئی۔
طویل سفر کے بعد وہ ایک باغ میں داخل ہوئی۔ اتفاق کی بات ہے کہ اسی رات اس نے ایک خوب صورت بچّے کو جنم دیا۔
یہ باغ ایک شہزادی کی ملکیت تھا۔ اسے معلوم ہوا تو وہ خوشی خوشی باغ میں آئی اور بے قرار ہو کر بچّے کو اٹھانے کے لیے لپکی۔ کہتے ہیں اس زمانے میں ہر چیز انسانوں کی طرح گفتگو کرتی تھی۔ ہرنی نے شہزادی سے عرض کی:
"ڈھول شہزادے کے ظلم سے بھاگ کر یہاں آئی تھی لیکن بدقسمتی نے یہاں بھی پیچھا نہ چھوڑا۔"
شہزادی نے ڈھول شہزادے کا نام سُنا تو اس کی بابت پوچھنے لگی۔ ہرنی نے ڈھول شہزادے کا تعارف شہزادی سے کرایا اور اس کی زیادتیوں کا ذکر کرنے لگی۔ شہزادی نے شہزادے کی باتیں سنیں تو اُسے کچھ دلچسپی پیدا ہو گئی۔ اس نے ہرنی سے پوچھا کہ کیا وہ شہزادے کو یہاں لا سکتی ہے؟
"میرے بچے کی خدمت کرو تمہارا کام یہ ہرنوٹہ ہی کر دے گا۔" ہرنی نے جواب دیا۔

یہ شہزادی وہی تھی جس کے باپ سے ڈھول شہزادے کے باپ کی دوستی تھی جس نے مصیبت کے دنوں میں اس کی مدد کی تھی اور دونوں نے عمر بھر ساتھ نبھانے کا وعدہ کیا تھا۔

شہزادی نے ہرن لوٹے کی خوب پرورش کی۔ تھوڑے ہی عرصے میں ہرن نے جوانی میں قدم رکھا تو ایک دن شہزادی نے اس سے کہا، "جاؤ شہزادے کو لے آؤ۔"

ہرن قلانچیں بھرتا ہوا روانہ ہوا اور کچھ دنوں میں ڈھول شہزادے کی نگری میں پہنچا۔ یہاں آ کر اس نے دیکھا کہ ہرنیوں کا ایک ریوڑ ہے جو جنگل میں آزادانہ گھوم رہا ہے۔ ہرنیوں نے ہرن دیکھا تو بہت خوش ہوئیں، لیکن ان کی خوشی دیر پا ثابت نہ ہوئی۔ ہرن نے ان سے کہا، "میں یہاں ایک خاص مقصد کے لیے آیا ہوں۔ مجھے شاہی باغ کا راستہ دکھاؤ۔ میرے لیے آپس میں نہ لڑو۔"

ہرنیوں نے اسے شاہی باغ تک پہنچایا۔ رات بھر سب نے جی بھر کر باغ کو اجاڑا۔ صبح ہوئی تو ہرنیاں واپس چلی گئیں اور ہرن نے اپنا کام شروع کر دیا۔

مالی نے جب باغ میں ایک ہرن کو دیکھا تو بہت خوش ہوا۔ شہزادے کو جا کر اطلاع دی۔ شہزادے نے ایک لمحہ ضائع کیے بغیر شکار کی تیاری کر لی۔ ہاتھ میں تیر کمان تھامے گھوڑے پر سوار ہوا اور باغ کی طرف گھوڑا دوڑایا۔ ہرن نے شہزادے کو دیکھا تو سر پر پاؤں رکھ کر بھاگا۔ ادھر شہزادے نے گھوڑے کو ایڑ لگائی۔ دونوں میں زبردست دوڑ لگی۔ دوڑتے دوڑتے دوپہر ہو گئی پھر شام پڑ گئی۔ طویل سفر گھنٹوں میں طے ہوتا گیا۔ آخر کار شہزادے نے سوچا کہ خدا جانے یہ ہرن مجھے کہاں لے جائے گا۔ میں واپس گھر بھی جا سکوں گا یا نہیں۔ یہ سوچ کر اس نے تیر کمان میں رکھ کر چلا دیا۔ اتفاق کی بات ہے کہ تیر ہرن کی ٹانگ میں پیوست ہو گیا۔ ہرن زخمی ہو کر بیٹھ گیا۔ شہزادہ جب ہرن کے پاس پہنچا تو ہرن بولا، "شہزادے! بس ایک ہی منزل کا سفر باقی تھا کہ تمھاری شہزادی سے ملاقات ہو جاتی تم نے بے صبری کا مظاہرہ کیا۔"

شہزادہ سمجھ گیا، یک لخت گھوڑے سے اترا اپنی پگڑی پھاڑی اور ہرن کے زخم پر پٹی باندھ دی اور بڑی شرمندگی کا اظہار کیا۔ شہزادے نے ہرن سے کہا تم مجھے راستہ بتاتے چلو میں تمھیں گھوڑے پر سوار کر لوں گا۔ آخر دونوں چلتے چلتے شہزادی کے وطن پہنچ گئے۔ شہزادی نے ہرن کو زخمی دیکھا تو اسے دلی رنج ہوا۔

ڈھول شہزادہ اپنے ہونے والے سسر کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس کے پاس اپنے باپ کی تلوار تھی جس پر دونوں دوستوں نے اپنی اولاد کی شادی کا عہد لکھا ہوا تھا۔ اس تحریر کے مطابق شہزادے کی شادی شہزادی سے کر دی گئی۔ ڈھول شہزادہ شادی کر کے یہیں رہنے لگا۔ گھر کی یاد بھی اس کے دل سے محو ہوگئی۔ ایک عرصے کے بعد اس نے اپنے ماں باپ کے بارے میں ایک بھیانک خواب دیکھا۔ شہزادہ سوتے سے چیخ مار کر اُٹھ بیٹھا۔ صبح ہوئی تو شہزادے نے اپنے سُسر سے گھر جانے کی اجازت چاہی۔ شہزادی بھی ساتھ جانے کی تیاریاں کرنے لگی۔ شہزادے نے لاکھ سمجھایا کہ راستہ بڑا کٹھن اور دشوار گزار ہے مگر اس نے ایک نہ مانی۔ شہزادی کو دیکھ کر اس کا چھوٹا بھائی بھی ساتھ جانے کے لیے مچل گیا۔

اللہ کا نام لے کر تینوں روانہ ہوئے۔ ابھی زیادہ سفر طے نہ کیا تھا کہ شہزادی کے بھائی کو شدید پیاس لگی اور دیکھتے ہی دیکھتے اس کی طبیعت غیر ہوگئی۔ شہزادی نے شہزادے سے کہا "جیسے بھی ہو میرے بھائی کی جان بچاؤ۔"

ڈھول شہزادہ اُن کو وہیں چھوڑ کر پانی کی تلاش میں نکلا۔ کچھ فاصلے پر جا کر پانی کا تالاب نظر آیا۔ اس نے مشکیزہ بھرا اور ایک درخت کی چھاؤں میں ستانے کے لیے لیٹ گیا۔ لیٹتے ہی اسے نیند آگئی۔ اس درخت کے اوپر ایک زہریلا سانپ رہتا تھا۔ سانپ نے نیچے اتر کر شہزادے کو ڈس لیا۔ شہزادہ سوتا ہی رہ گیا۔

جب ڈھول شہزادے کے سالے اور شہزادی نے دیکھا کہ شہزادہ طویل انتظار کے باوجود نہیں آیا تو انھوں نے پاؤں کے نشانوں کی مدد سے اسے تلاش کرنا شروع کر دیا۔ چلتے چلتے وہ درخت کے نیچے پہنچے جہاں شہزادہ سویا ہوا تھا۔ دونوں جگا جگا کر تھک گئے مگر شہزادہ نہ اٹھا۔ سمجھے کہ موت واقع ہوگئی ہے۔ شہزادی نے ماتم شروع کر دیا اور رو رو کر آدھی جان کر لی۔ اتفاق سے ایک جوگی بھی اُدھر آنکلا۔ اس نے شہزادی کو جنگل میں دیکھا تو حیران رہ گیا۔ نزدیک آیا تو شہزادی نے منّت سماجت کی اور علاج کے لیے اس کی مدد کی طالب ہوئی۔ جوگی نے شہزادے کو دیکھا تو سمجھ گیا کہ وہ سانپ کا ڈسا ہوا ہے۔ اپنی گدڑی سے مَن نکالا اور اس کی مدد سے شہزادے کے جسم سے تمام زہر نکال دیا۔ کچھ دیر بعد شہزادے نے آنکھیں کھول دیں اور حیران ہو کر اُٹھ بیٹھا۔ حقیقت حال معلوم ہوئی تو اس نے جوگی کا

شکریہ ادا کیا اور اسے خوب انعام سے نوازا۔
کئی دنوں کے بعد تینوں منزلِ مقصود پر پہنچے۔ شہزادے نے خیال کیا کہ ایک عرصے بعد آیا ہوں۔ ملک کی حالت خدا جانے کیا ہو گی۔ یہ سوچ کر وہ شہر کے باہر ہی ٹھیر گیا اور شہزادی سے کہا تم لوگ یہیں ٹھیرو، میں حالات کا جائزہ لے کر آتا ہوں۔ آبادی میں جا کر اس نے ایک شخص سے پوچھا، "اس ملک کا بادشاہ کون ہے اور وہ کس طبیعت کا آدمی ہے؟"
آدمی نے جواب دیا، "بھائی! تم کوئی اجنبی لگتے ہو۔ ہر کوئی جانتا ہے کہ یہاں ایک انصاف پسند بادشاہ حکومت کرتا تھا۔ اس بادشاہ کا بیٹا شکار کے دوران گُم ہو گیا۔ بڑی تلاش کے باوجود اس کا کوئی سراغ نہ ملا۔ اس کے ماں باپ رو رو کے اندھے ہو گئے۔ اس حالت میں اس کے وزیر نے نمک حرامی کی اور تخت پر قبضہ کر لیا۔ ملکہ کو بے دردی سے ہلاک کر دیا۔ خدا جانے بادشاہ کا کیا انجام ہوا۔" یہ خبر سُن کر شہزادے کو شدید صدمہ پہنچا لیکن اس نے ضبط سے کام لیا اور اس شخص سے پوچھنے لگا "اگر ڈھول شہزادہ واپس آجائے تو پھر؟" شخص نے جواب دیا، "تمھارے منھ میں گھی شکر، مگر وہ کیسے آسکتا ہے۔ اگر آجائے تو رعایا اس سے مل کر اس ظالم کی تکّا بوٹی کر دے گی۔"
دوسرے دن ڈھول شہزادے نے ایک اسکیم تیار کی۔ خفیہ طریقے سے یہ خبر گھر گھر پہنچا دی کہ ڈھول شہزادہ زندہ ہے اور واپس آگیا ہے۔ کل شام کے وقت شہر میں داخل ہو گا۔ وقت مقررہ سے کچھ ہی دیر قبل تمام شہری ڈھول شہزادے کے استقبال کے لیے جمع ہو گئے۔ شہزادہ نمودار ہوا، جسے دیکھ کر لوگوں نے خوشی سے نعرے لگائے اور اسی جلوس نے حملہ کر کے ظالم وزیر کو اپنے انجام تک پہنچایا اور ڈھول شہزادے کو بڑی شان و شوکت سے تخت پر بٹھا دیا۔
شہزادے کی تخت نشینی کا جشن جاری تھا کہ ایک عورت نے اسے خوش خبری سنائی کہ بوڑھے بادشاہ کو اس نے اپنے گھر میں پناہ دے رکھی ہے، آج ظالم کا کام تمام ہوا تو میں یہ راز بتانے آئی ہوں۔ شہزادے نے باپ سے ملاقات کی اور اس نیک اور دلیر عورت کو انعام و اکرام سے مالا مال کر دیا۔

Adarts-HTP-2/85

حمد

مرسلہ: محمد عرفان وحید، کراچی

خدایا تری قدرتیں جلوہ گر ہیں
تری صنعتوں سے بھرے بحر و بر ہیں
صدف سے کیے تُو نے گوہر ہویدا
کیے لعل و یاقوت پتھر سے پیدا
درختوں میں پھل پھول تُو نے لگائے
کہ پھر وہ نہ جامے میں پھولے سمائے
گلوں سے کہیں تُو نے گلشن سجایا
کہیں تُو نے صحرا میں سبزہ جمایا
پتا تیرا ہر برگ بتلا رہا ہے
تری شان ہر نخل دکھلا رہا ہے
کھلائے ہیں وہ پھول تو نے چمن میں
کہ ہر اِک نرالا بنا بانکپن میں
گُل و برگ پر دیکھ شبنم کے قطرے
نگہ کہہ رہی ہے کہ موتی ہیں بکھرے
تماشے یہ سب ہیں تری قُدرتوں کے
یہ سب روپ ہیں تیری ہی صنعتوں کے
کوئی شے نہیں تیرے جلوے سے خالی
وہ موجود ہو یا ہو شکلِ خیالی

شاعر: محمد راضی مختار، کراچی

آزادی

ملک عطا حسین، کراچی

آزادی دنیا کی سب سے بڑی نعمت اور ہر انسان کا پیدائشی حق ہے۔ ہر جان دار آزاد رہنا پسند کرتا ہے۔ کوئی جان دار بھی کسی کی غلامی میں جانا پسند نہیں کرتا۔ جنگلی جانور اپنی لاعلمی کی وجہ سے شکاری کے ڈالے ہوئے دانے کے لالچ میں آ کر جال میں پھنس جاتے ہیں۔ اُن کی اکثریت تاحیات پنجروں میں بند رہتی ہے۔ جنوبی ایشیا کے مسلمان بھی ایک مرتبہ اپنی غفلت کے سبب انگریزوں کے جال میں پھنس کر غلامی کرنے پر مجبور ہو گئے تھے، لیکن ہم نے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے اپنے عظیم رہنماؤں کی سرکردگی میں آزادی حاصل کی اور ہر سال یومِ آزادی مناتے ہیں، لیکن صرف یومِ آزادی منانے سے ہماری آزادی محفوظ نہیں ہے۔ اس نعمت کی بقا کے لیے ہمیں عیش و عشرت اور

باہمی اختلاف ختم کر کے محنت کرنا ہوگی۔ ایک زندہ اور باوقار قوم بننا ہوگا، تاکہ پھر کوئی قوم ہمیں اپنا غلام نہ بنا سکے۔ اللہ تعالیٰ ہماری آزادی کو تاقیامت قائم رکھے

ہمارا بھیا

مرسلہ: تبسم رضا۔ خانیوال

شانی اِک ہے ہمارا بھیّا
اچھا اچھا پیارا بھیّا
موٹی موٹی آنکھیں اُس کی
سب کو جان سے پیارا بھیّا
گوری گوری رنگت اُس کی
سب کی آنکھ کا تارا بھیّا
اُس کی ادائیں پیاری پیاری
سب کو ہنسائے ہمارا بھیّا
لب پہ تبسم کے یہ دعا ہے
پھُولے پھَلے یہ دُلارا بھیّا

نانا کی نصیحت

سید مہدی حسین، کراچی

کسی گاؤں میں ایک بڑے زمین دار رہتے تھے۔ وہ بہت ہی نیک اور عقل مند تھے۔ لوگ اُن کی بہت عزّت کرتے تھے، جس کی وجہ سے کچھ لوگ اُن سے جلتے بھی تھے اور اُن کی بُرائی بھی کرتے تھے، مگر پھر بھی انھیں میر صاحب کہتے تھے۔ میر صاحب کا ایک ہی نواسہ تھا اور وہ اپنے نواسے کو بہت چاہتے تھے۔ نواسے کو بھی اپنے نانا سے بڑی محبّت تھی۔ ہر وقت دونوں ساتھ رہتے تھے۔ ایک دن اُن کا نواسہ نماز پڑھنے اکیلے مسجد گیا۔ وہاں ایک آدمی میر صاحب کی بُرائی کر رہا تھا۔ نواسے کو اُس کی بات سے بہت تکلیف پہنچی۔ وہ روتا ہوا اپنے نانا کے پاس گیا اور اس آدمی کی ساری بات نانا سے دُہرادی۔ نانا نے بڑے تحمّل سے نواسے کی بات سُنی اور بہت نرمی سے پوچھا، "کیا تم کو میری بُرائی سُن کر بہت تکلیف پہنچی؟"

"جی ہاں بہت۔" نواسے نے جواب دیا۔

"تم کو کیوں تکلیف پہنچی؟" نانا نے پھر سوال کیا۔

"میں نہیں چاہتا کہ کوئی آپ کی بُرائی کرے اور اس آدمی نے آپ کی بُرائی کی۔" نواسے نے جواب دیا۔

"جس وقت وہ آدمی میری بُرائی کر رہا تھا تو کیا میں سننے کے لیے وہاں موجود تھا؟" نانا نے سوال کیا۔

"پھر وہ تکلیف پہنچانے والی بات مجھ تک کس نے پہنچائی؟" نانا نے سوال کیا۔

"میں نے۔" نواسے نے جواب دیا۔

"پھر تم ہی بتاؤ، مجھے تکلیف کس نے پہنچائی؟ تم نے یا اس آدمی نے؟" نانا نے کہا۔

نواسہ بہت شرمندہ ہوا اور اس نے عہد کیا کہ وہ آئندہ کبھی ایسا نہیں کرے گا اور نانا کی نصیحت کو اس نے گرہ سے باندھ لیا۔

عظیم بچہ

گل زہرہ، اسلام آباد

میں اُس وقت دس سال کی تھی۔ اب بھی مجھے وہ واقعہ یاد آتا ہے تو میری آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں۔ اُن دِنوں میں پیدل اسکول جایا کرتی تھی۔ ایک دن جب میں اسکول سے واپس آرہی تھی تو مجھے راستے میں ایک عورت ملی جو لوگوں سے ہاتھ جوڑ کر کہہ رہی تھی کہ اللہ کے واسطے میرے بچے کو بچاؤ۔ لوگ اُسے "معاف کردو" کہہ کر چلے جاتے۔ ایک عورت نے تو اُس سے یہاں تک کہہ دیا کہ یہاں سے دفان ہوجاؤ۔ تم لوگ بہانے بناتے ہو۔

مجھے اچانک ایک بچہ نظر آیا جو اپنا گُلک ہاتھ میں لیے جارہا تھا۔ جب اُس کی نظر مانگنے والی عورت پر پڑی تو بچہ وہیں ٹھٹک کر رُک گیا۔ بچے کے ساتھ اُس کی ماں بھی تھی۔ ماں نے بچے کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا تو وہ ہاتھ چھڑا کر بھاگتا ہوا سڑک پار کرنے لگا۔ سڑک پار کرکے وہ فوراً مانگنے والی عورت کے پاس پہنچا۔ اُس نے پہلے بیمار بیٹے اور پھر بیوہ کو دیکھا اور اپنا گُلک بیوہ دُکھیاری کو دے کر واپس اپنی ماں کے پاس پہنچ گیا۔ وہ بچہ مجھے اس لمحے بہت عظیم لگا۔ میں سوچنے لگی کہ یہ بچہ اُن لوگوں سے کہیں عظیم ہے جو آئے دن انسانی ہمدردی کے بارے میں تقریریں کرتے ہیں، مگر اُن پر عمل نہیں کرتے۔ ہمارے قول وفعل میں کتنا تضاد ہے۔ جب تک ہم میں تضاد ہے ہم کبھی ایک منظم قوم نہیں بن سکتے۔

آزادی کا نغمہ گائیں

مرسلہ: صفیہ کنول دُرّانی، سکھر

آزادی کا نغمہ گائیں
سچائی کا پیغام سُنائیں

آؤ اللہ سے مانگ لیں نعمت
جس نے کی ہے سب پر رحمت

سب کو یہ پیغام سنائیں
آزادی کا نغمہ گائیں

پاک وطن ہے جان سے پیارا
اپنی ذاتی شان سے پیارا

میرا شہر اسلام آباد

رعنا یوسف، اسلام آباد

آیئے، آج میں آپ کو اپنے شہر اسلام آباد کی سیر کراؤں۔ اسلام آباد اسلامی جمہوریہ پاکستان کا دارالحکومت ہے۔ یہ ایک صاف ستھرا اور جدید طرز کا شہر ہے، جسے سابق صدرِ پاکستان ایوب خان نے بسایا ہے۔ زیادہ تر سرکاری دفاتر یہاں پر ہیں۔ یہاں غیر ملکی سفارت خانے بھی ہیں، لہٰذا یہاں بہت سے غیر ملکی سفارت کار اور شہری گھومتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ نیا دارالحکومت ہونے کی وجہ سے یہاں بہت شان دار اور خوب صورت عمارتیں نظر آتی ہیں۔

اسلام آباد بہت سے خطّوں پر مشتمل ہے، جسے سیکٹر کہتے ہیں، مثلاً شالیمار، رمنا، خیبر اور مہران۔ ہر سیکٹر چار چھوٹے سیکٹرز پر مشتمل ہے۔ اسلام آباد کی آبادی ایک لاکھ سے زائد ہے۔

اسلام آباد میں بہت سے تفریحی مقامات ہیں۔ تقریباً دو سال پہلے پہاڑوں کے دامن میں ایک چڑیا گھر بنایا گیا جہاں قسم قسم کے

جانور موجود ہیں۔ پہاڑوں کو کاٹتی ہوئی سڑک بل کھاتے ہوئے اوپر جاتی ہے، جہاں ایک شان دار ہوٹل ہے۔ وہاں سے پورا شہر نظر آتا ہے۔ رات کو یہ نظارہ اور بھی خوب صورت لگتا ہے۔ ہر سیکٹر جگمگاتا ہوا الگ الگ نظر آتا ہے۔ یہاں گلاب اور چنبیلی کا باغ بھی ہے۔

ہر سال پھولوں کی سجاوٹ کا مقابلہ ہوتا ہے۔ اچھے پھول سجانے والوں کو انعام ملتا ہے۔ یہاں راول ڈیم ہے، جہاں سے اسلام آباد کو پینے کا پانی سپلائی ہوتا ہے۔ پانی اونچائی سے گرا کر بجلی بھی حاصل کی جاتی ہے۔ چھوٹی پہاڑی ٹیلوں کا ایک سلسلہ ہے جسے شکر پڑیاں کہتے ہیں۔ یہ ایک خوب صورت تفریحی مقام ہے۔ اسلام آباد سے متصل شہر راولپنڈی سے چند کلو میٹر دور تاریخی شہر ٹیکسلا اور واہ بھی ہے جو سیمنٹ کی صنعت کا مرکز ہے۔ یہاں اسلحہ سازی کا ایک کارخانہ بھی ہے۔ پورے ملک سے لوگ میرے شہر کی سیر کرنے آتے ہیں اور اس جدید شہر کی خوب صورتیوں سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ آپ بھی تشریف لائیے۔

انڈونیشیا

سید محمد علی، کراچی

ہوائی جہاز سے انڈونیشیا پر نظر ڈالیے تو اس کے جزیرے نیلگوں سمندر کی سطح پر اس طرح بکھرے ہوئے نظر آئیں گے، جیسے بڑی سی جھیل میں کنول کے چھوٹے چھوٹے پھول۔ یہ وہی انڈونیشیا ہے، جسے عربوں نے جزائر شرق الہند کا نام دیا تھا۔ چھوٹے بڑے تین سو جزیروں پر مشتمل دنیا کا یہ سب سے بڑا ملک ایشیا کے شمال مشرق میں واقع ہے۔ یہ جزائر زرعی پیداوار اور معدنیات کی بہتات کی وجہ سے دنیا کے چند اہم ترین جزیروں میں شمار ہوتے ہیں۔ زرعی پیداوار میں ربڑ، کونین، گنّا، ناریل، چائے، گرم مسالا اور تمباکو اور معدنیات میں سونا، پٹرول، ٹین اور کوئلہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

انڈونیشیا کی تاریخ جنوبی ایشیا کے مقابلے میں بڑی مختصر ہے۔ ان جزیروں پر ابتدا میں جنوبی ایشیا ہی سے گئے ہوئے لوگوں کی حکومت قائم ہوئی، لیکن وہ دور کچھ ایسا اہم نہیں۔ ملک کی تاریخ کا اہم دور اُس وقت شروع ہوا، جب عرب مسلمان تاجر یہاں پہنچے اور انھوں نے یہاں سکونت اختیار کرلی۔ ان مسلمان تاجروں نے انڈونیشیا میں رہ کر گرم مسالے اور ناریل کی تجارت کو فروغ دیا اور اسلام کی تبلیغ بھی کی۔ دیکھتے ہی دیکھتے انڈونیشیا کے قدیم باشندوں نے کثیر تعداد میں اسلام قبول کرلیا اور اس طرح انڈونیشیا مسلمان اکثریت کا ملک بن گیا، لیکن جب یہاں کے حکمراں کمزور ہوگئے اور آپس کا اتحاد ختم ہوگیا تو یہاں ابتدا میں پرتگالی قابض ہوگئے۔ ابھی پرتگالیوں کی حکومت کو پچاس سال ہوئے تھے کہ انگریزوں اور ولندیزیوں (ہالینڈ کے باشندوں) نے انڈونیشیا پر حملہ کرکے پرتگالیوں کو وہاں سے نکال باہر کیا۔ بعدازاں انگریز تو جنوبی ایشیا پر قبضہ کرنے کی فکر میں منہمک ہوگئے اور انڈونیشیا پر تنہا ولندیزیوں کا تسلّط قائم ہوگیا، جو تقریباً تین سو سال تک قائم رہا۔

جنوبی ایشیا کی طرح انڈونیشی مسلمانوں نے بھی بیرونی حکمرانوں کی غلامی سے نجات پانے کے لیے جدوجہد کی اور بڑی

قربانیاں دیں۔ کئی بار ولندیزی حکومت کے خلاف عَلمِ بغاوت بلند کیا، لیکن اپنی بے سروسامانی کی وجہ سے ہر بار ناکام رہے۔ ابتدا میں اِن جزیروں پر ہالینڈ کی ایک تجارتی کمپنی کا قبضہ تھا، لیکن ۱۷۹۸ء سے اِن جزیروں پر حکومت ہالینڈ کا سکّہ رواں ہو گیا تھا۔ حکومتِ ہالینڈ نے مجاہدینِ آزادی پر بے انتہا مظالم ڈھائے۔ اُن کی آبادیوں پر بم برسائے۔ حُریّت پسندوں کو طویل مُدّت تک قید میں رکھا۔ نہتّے شہریوں کو گولیوں کا نشانہ بنایا، لیکن آزادی کی وہ چنگاری، جو مسلمانانِ انڈونیشیا کے دلوں میں سُلگ رہی تھی، ان تمام مصائب و مشکلات کے باوجود نہ بُجھی اور آزادی کا جذبہ زندہ رہا، یہاں تک کہ ۱۹۳۹ء میں دوسری عالمی جنگ چھڑی اور جاپان نے ولندیزیوں کو شکست دے کر جزائرِ انڈونیشیا پر قبضہ کر لیا اور انڈونیشیا کی تحریکِ آزادی کو بجا اور دُرست قرار دیا۔ انڈونیشی سمجھے کہ اب اُن کا دورِ غلامی ختم ہوا، لیکن قُدرت ان کے جذبۂ حریّت کو مزید آزمانا چاہتی تھی۔ اتحادیوں نے جاپان کے دو شہروں، ہیروشیما اور ناگاساکی پر ایٹم بم گرا کر اُسے گھُٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا۔ اپنے دیگر مقبوضات کے ساتھ جاپانیوں کو انڈونیشیا سے بھی دست بردار ہونا پڑا۔ جاپانیوں کے جانے کے بعد تحریکِ آزادی کے رہنماؤں نے انڈونیشیا میں اپنی حکومت قائم کر لی، لیکن ہالینڈ اور اس کے مددگار یورپی ممالک اتنی آسانی سے آزادی دینا کیسے گوارا کر لیتے۔ امریکا اور برطانیہ کی مدد سے ہالینڈ نے پھر انڈونیشیا پر حملہ کیا۔ اہلِ مُلک نے بڑی بے جگری سے اُن کا مقابلہ کیا، لیکن انگریزوں اور ولندیزیوں کے مقابلے میں اُن کی بساط ہی کیا تھی چناں چہ شکست کھائی، لیکن آزادی کی جدوجہد جاری رہی۔ اہلِ انڈونیشیا کا جذبۂ حُریّت بھی ترقی کرتا گیا اور آخر اُن کی قربانیاں رنگ لائیں۔ اقوامِ متحدہ نے ۲۳ دسمبر ۱۹۴۹ء کو انڈونیشیا کی آزادی کا اعلان کر دیا۔ اب انڈونیشیا ایک آزاد جمہوری مُلک ہے۔ اس وقت انڈونیشیا کی آبادی گیارہ کروڑ کے لگ بھگ ہے جس میں ۹۶ فیصد فرزندانِ توحید ہیں۔

ٹریفک کے اصولوں کی پابندی

سیّد عدیم اختر، کراچی

ابھی کچھ عرصے پہلے کی بات ہے کہ میں کسی کام سے جا رہا تھا کہ اتنے میں سروس روڈ سے ایک اسکوٹر سوار مین روڈ پر تیز رفتاری سے آیا اور مین روڈ سے گزرتی ہوئی بس سے جا کر ٹکرا گیا۔ اس قدر زبردست ٹکّر ہوئی کہ وہ اُچھل کر بہت دُور جا گرا اور وہیں پر دم توڑ دیا۔ اگر وہ سروس روڈ سے مین روڈ پر آتے ہوئے ٹریفک کے قواعد کے مطابق رفتار سُست کر لیتا تو یقیناً یہ حادثہ رُونما نہیں ہوتا۔ اس کی قسمت میں یہی لکھا تھا۔

کراچی، جیسا کہ سب جانتے ہیں، روشنیوں کا شہر ہی نہیں، بسوں، ٹرکوں، موٹر کاروں، اسکوٹروں اور موٹر سائیکلوں کا بھی شہر ہے۔ جہاں تک میرا مشاہدہ ہے ان چیزوں کی بہتات ٹریفک کے حادثوں کی اتنی ذمّے دار نہیں جتنی ٹریفک کے اصولوں کی خلاف ورزی ہے اور ٹریفک کے اصولوں کی خلاف ورزی صرف گاڑیاں نہیں کرتیں، پیدل چلنے والے بھی کرتے ہیں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ خلاف ورزیاں بس والے، منی بس والے،

ٹرک والے اور موٹر کار والے کچھ زیادہ ہی کرتے ہیں تیز رفتاری، بریکوں کی خرابی، غلط سائڈ پر چلنا یہ سب ٹریفک کے قواعد کی خلاف ورزیاں ہیں۔ خود کار ٹریفک سگنل کا قاعدہ یہ ہے کہ زرد روشنی آتے ہی ٹریفک کو رک جانا چاہیے، لیکن کیا مجال ہے کہ سرخ روشنی ظاہر ہونے پر ہم رک جائیں۔ اہم شاہراہوں پر جگہ جگہ زیبرا کراسنگ اس مقصد کے لیے بنائی گئی ہے کہ لوگ وہاں سے سڑک پار کریں، لیکن لوگ جہاں سے جی چاہتا ہے اس طرح پار کرتے ہیں جیسے وہ اپنے گھر کے صحن میں چہل قدمی کر رہے ہوں۔ غرض میرا تو یہ خیال ہے کہ اگر پیدل چلنے والے اور سواری استعمال کرنے والے ٹریفک کے اصولوں کی پابندی کریں تو ٹریفک کے حادثات میں یقیناً بڑی حد تک کمی واقع ہو سکتی ہے۔

وادیِ لیپہ

محمد ارشاد ندیم قاسمی، کراچی

آئیے ساتھیو! ہم آج آپ کو ایک وادی کی سیر کراتے ہیں، جس کا نام ہے وادیِ لیپہ۔ یقیناً آپ اس وادی کی سیر کر کے خوش ہوں گے۔ یوں تو پاکستان کی ہر وادی اپنی مثال آپ ہے، لیکن ساتھیو وادیِ لیپہ کی بات ہی کچھ اور ہے۔ اس کی پہاڑوں اور سبزہ زاروں سے گزرتی آبشاریں، ابلتے چشمے اور قدرتی پھول نہایت دل کش مناظر پیش کرتے ہیں۔

وادیِ لیپہ تک پہنچنے کے لیے دشوار گزار، لیکن نہایت پُرکشش راستوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ لوگ اسلام آباد سے مری کے راستے مظفر آباد جاتے ہیں، جو اس علاقے کا سب سے بڑا شہر اور آزاد کشمیر کا دارالحکومت ہے۔ مظفر آباد سے ایک سڑک دریائے جہلم کے کنارے کنارے چناری سے ہوتی ہوئی ہری نگر جاتی ہے۔ اس سڑک کی ایک شاخ مظفر آباد سے تیس میل کے فاصلے پر دریائے جہلم پر سے گزر کر وادیِ لیپہ تک جاتی ہے۔ یہ سڑک بل کھاتی ہوئی دس ہزار فیٹ کی بلندی تک پہنچ جاتی ہے۔ پھر اسی طرح ڈھلوان سے بل کھاتی ہوئی نیچے وادی تک پہنچ جاتی ہے۔

سردی کے موسم میں یہ کچی سڑک تقریباً چھے مہینے برفباری کے سبب بند رہتی ہے۔ مظفر آباد سے وادی تک کا ہوائی فاصلہ صرف ۱۵ میل ہے، جب کہ سڑک کے ذریعے سے یہی فاصلہ ستر میل ہو جاتا ہے۔ سردیوں کے موسم میں اس سڑک پر تیس تیس میل تک کا سفر پیدل طے کرنا پڑتا ہے۔

وادی کے لوگ بہت محنتی اور جفاکش ہوتے ہیں۔ پہاڑوں پر زمین ہموار کر کے کھیتی باڑی کرتے ہیں۔ بھیڑ، بکریاں اور دوسرے مویشی پالتے ہیں۔ موسمِ گرما میں مکئی اور چاول کی فصلیں ہوتی ہیں اور یہی لوگوں کی بڑی خوراک ہے۔ وادی میں لکڑی کی بہتات کی وجہ سے مکان لکڑی کے بنے ہوئے ہوتے ہیں۔ سردیوں کی آمد سے پہلے لوگ اپنی اور مویشیوں کی خوراک اور ایندھن کا ذخیرہ جمع کر لیتے ہیں۔ اس کام میں عورتیں، مرد، بچے اور بوڑھے سب ہی برابر کے شریک ہوتے ہیں۔

سردیوں میں وادی میں ۱۵ اور ۱۶ فیٹ تک برف پڑتی ہے۔ اس وقت لوگ اپنی ذخیرہ کی ہوئی اشیا پر گزر اوقات کرتے ہیں۔ برفباری کو مصیبت سمجھنے کے بجائے اس

سے لُطف اندوز ہوتے ہیں۔ اس طوفانی برفباری میں بھی بوجھ اٹھا کر کئی کئی میل کا سفر تن تنہا طے کرتے ہیں۔ گو کہ لوگ جدید سہولتوں سے محروم ہیں، لیکن اس کے باوجود ان کی صحت قابلِ رشک ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ خوش و خرم ہیں۔ ان لوگوں کی صحت کا راز اُن کی محنت اور جفاکشی میں مُضمر ہے۔

گرمیوں کی آمد سے جب پہاڑوں کی برف پگھل کر بہ جاتی ہے تو وادیِ لیپہ ایک نیا نکھار لیے طرح طرح کے پھولوں، خوشبودار بوٹیوں اور اپنے قدرتی حُسن کے ساتھ سیّاحوں اور مداحوں کو دعوتِ نظارہ دیتی ہے۔

پیارے ساتھیو، یہ تو پاکستان کی ایک خوب صورت وادی کا ذکر ہے۔ ایسی بہت سی وادیاں ہمارے پیارے ملک پاکستان کے حُسن کو اور زیادہ نکھار رہی ہیں۔

شرارت کا انجام

شاذیہ نور، لاہور

"بیٹا! میں نے تم سے کتنی بار کہا ہے کہ ہمایوں سے نہ لڑا کرو، یہ اچھی بات نہیں۔" "امی میں تو نہیں لڑتا اُس نے خود ہی کہا تھا آؤ کشتی لڑیں اور جب چوٹ لگ گئی تو ڈرپوک نے اپنی امی سے کہہ دیا۔ چُنّی اترا کر بولا۔ "اگر کسی دن بلی نے دیکھ لیا، تو بس چھٹی ہو جائے گی۔" چُنّی کی امی نے کہا، "لیکن امی یہ بلی ہے کیا؟ معلوم ہے ٹائیگر میرا دوست بن گیا ہے۔ ایسی مار لگواؤں گا کہ یہ بلی صاحبہ ہمیشہ یاد کریں گی۔"

دراصل چُنّی میاں ایک چھوٹے سے چوہے تھے جو بہت شریر اور خود پسند تھے۔ اپنے آپ کو نہ جانے کیا سمجھتے تھے ہر وقت دوسروں سے لڑنا۔ گھر والوں کے سامنے سے ان کی چیزیں لے جانا اور اسکول سے بھاگنا اُن کا روز کا معمول تھا۔ کوئی دن ایسا نہ گزرتا تھا جب چُنّی کی شکایت اس کی امی تک نہ پہنچتی ہو۔ چُنّی کے ابو انسانوں کے ہاتھوں مارے جا چکے تھے۔ چُنّی کا کوئی بہن بھائی نہ تھا۔

ایک دن چُنّی میاں شرارت کے موڈ میں تھے۔ انھوں نے سوچا آج میں احمد کے کھانے میں چھلانگ لگاؤں گا۔ بہت مزا آئے گا۔ ارے ہاں کیوں نہ تنّو کو بھی بلا لوں۔ ابھی آواز دیتا ہوں۔ تنّو، او تنّو، جلدی آؤ۔ تنّو بھی چُنّی کی طرح ایک شریر چوہا تھا۔ وہ جلدی سے دوڑتا ہوا آیا۔ "کیا ہے چُنّی کیوں شور مچا رہے ہو؟" جب چُنّی نے اُسے تمام بات بتائی تو تنّو ہنس کر بولا، "واہ دوست کیا شرارت سوجھی ہے تجھے۔ تیری عقل کی داد دینا چاہیے۔" چُنّی اپنی تعریف سے پھولے نہ سما رہا تھا۔

جب دونوں نے دیکھا کہ احمد اکیلا بیٹھا کھانا کھا رہا ہے تو چُنّی نے جلدی سے اُس کے کھانے پر چھلانگ لگا دی اور سیدھا روٹی پر جا گرا۔ احمد نے ایک زوردار چیخ ماری۔ اسی کے ساتھ تنّو نے بھی چھلانگ لگائی اور احمد امی امی کرتا ہوا اندر بھاگا۔ چنّی اور تنّو بہت خوش تھے۔ وہ جلدی سے روٹی کھینچ کر اپنے بل میں لے گئے۔ دراصل وہ دونوں احمد کے گھر میں رہتے تھے۔ احمد ایک نٹ کھٹ اور شریر لڑکا تھا۔ ہمیشہ سب سے الگ تھلگ اور کمرے میں تنہا کھانا کھاتا تھا۔ کسی کے ساتھ کھانے میں جیسے اس کی شان گھٹتی تھی۔ اسی وجہ سے چنّی کو شرارت سوجھی اور تنّو بھی تیار ہو گیا ورنہ زیادہ

لوگوں میں وہ شرارت کرتے ہوئے ڈرتا تھا۔

اب چنّی اور منّو کا یہ روز کا مشغلہ بن گیا۔ احمد جہاں کھانے کے لیے بیٹھا۔ اُدھر یہ دونوں نازل ہو گئے۔ روز اس طرح ہونے سے احمد نے اکیلا کھانا اور اپنے بھائیوں سے لڑنا جھگڑنا چھوڑ دیا۔ تب اُس کے بھائیوں نے اُسے ایک ترکیب بتائی۔

آج جب منّو اور چنّی نے کھانے پر چھلانگ لگائی تو اُن کی ننھی ننھی چیخیں احمد کی ہنسی میں دب گئیں۔ دراصل آج احمد نے روٹی کے بجائے اپنے سامنے گرم پانی کا برتن رکھا تھا۔ تھوڑی دیر بعد چنّی اور منّو اس دنیا میں نہ تھے۔

ہمارے قائدِ اعظم

قیصر حسین، راولپنڈی

ہم میں سے کون ہے جو بانیٔ پاکستان حضرت قائدِ اعظم محمد علی جناح کے نام سے واقف نہیں۔ جب بھی آپ کا نام زبان پر آتا ہے تو نگاہیں خود بخود ادب و احترام سے جھک جاتی ہیں۔ آپ ۲۵ دسمبر ۱۸۷۶ء بمطابق ۱۲۹۳ھ کو کراچی میں جینا پونجا نامی ایک مسلمان تاجر کے گھر پیدا ہوئے۔ آپ نے ۱۸۸۲ء میں اپنی تعلیم کا آغاز کیا۔ یہ وہ وقت تھا جب مسلمانانِ پاک و ہند غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے۔ جب آپ انگلستان سے اعلا تعلیم حاصل کر کے وطن واپس آئے تو آپ کو مسلمانوں کی حالتِ زار دیکھ کر سخت رنج ہوا، چناں چہ آپ نے مسلمانوں کو آزادی دلانے کا مصمّم ارادہ کر لیا اور یہیں سے آپ کی عظیم جدوجہد کا آغاز ہوا، جو ایک پاک ملک کے قیام سے اپنے انجام کو پہنچا۔

آپ نے کئی سالوں کی سخت محنت سے یہ وطن حاصل کیا، مگر افسوس! آج ہم اُس کی قدر نہیں کر رہے ہیں۔ آزادی جیسی عظیم و برتر نعمت ہمیں قائدِ اعظم رح کی عدیم المثال قیادت کے طفیل پاکستان کی صورت میں حاصل ہوئی۔ آپ نے ہمیں راہِ آزادی اُس وقت دکھائی جس وقت ہمیں راہِ منزل کی پہچان تو کیا اپنے وجود کا عرفان بھی نہ تھا۔

قائدِ اعظم صحیح معنوں میں ایک عظیم رہنما تھے۔ آپ کسی شخص سے خواہ وہ بچّہ ہو یا بوڑھا، نفرت نہ کرتے تھے اور نہ نفرت کو فروغ دیتے تھے۔ آپ نے تمام مسلمانوں کو سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح متحد کر دیا تھا۔ آپ ایک مضبوط قوتِ ارادی کے مالک اور ثابت قدم لیڈر تھے۔ جب آپ کو یقین ہو گیا کہ مسلمانوں کے مستقبل کے لیے پاکستان ضروری ہے تو آپ نے اس مقصد کے لیے اپنی زندگی وقف کر دی۔ آپ کو کئی لالچ دیے گئے کہ وہ مطالبۂ پاکستان ترک کر دیں، مگر آپ ایک مضبوط چٹان کی طرح اپنے ارادے پر ڈٹے رہے۔

قائدِ اعظم ایک راست باز اور صاف گو انسان تھے۔ صاف بات کہنے سے کبھی نہ جھجکتے تھے۔ وہ ایک سچّے مسلمان تھے۔ انھوں نے انگلستان لنکنز اِن میں داخلہ صرف اس لیے لیا تھا کہ اُس کے دروازے پر ہادیٔ برحق سرورِ کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کی تختی آویزاں تھی۔ قائدِ اعظم بہت بااصول شخص تھے۔ آپ اتنے صاف گو

تھے کہ آپ نے ہندستان کے مشہور ہندو لیڈروں پنڈت نہرو اور سردار پٹیل کو اُن کے منھ پر "ناقابلِ اصلاح" کہا تھا اصل رعب تو آپ کے کردار کا تھا جسے اپنے تو کیا دشمن بھی تسلیم کرتے ہیں اور دُشمنوں کا کوئی آدمی کبھی بھی یہ نہ کہہ سکا کہ آپ نے کبھی کوئی غیر قانونی یا غیر ذمّہ دارانہ بات کہی تھی۔ قائدِ اعظم وقت کے پابند اور شگفتہ طبع تھے۔ آپ زمانۂ طالب علمی سے ہی با اصول اور دُھن کے پکّے تھے۔ معمارِ قوم حضرت قائدِ اعظم نے کئی سالوں کی طویل کوششوں اور برطانوی حکومت سے مُسلسل گفت و شُنید کے بعد آخر ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء بمطابق ۲۷ رمضان المبارک ۱۳۶۶ھ کو پاکستان حاصل کر کے تاریخ کا رُخ موڑ دیا۔ دُنیا آپ کے اس عظیم کارنامے پر حیران تھی کہ کس طرح آپ نے بغیر تیر و بسناں اور بغیر بغاوت کے پُر امن طریقے سے یہ وطن حاصل کر لیا۔ آپ پاکستان کے پہلے گورنر جنرل مقرر ہوئے۔ کارواں تو منزل تک پہنچ گیا، مگر میرِ کارواں اور ملّاحِ سفینہ تھک کر چور ہو چکا تھا۔ آپ پاکستان بننے کے بعد صرف ایک سال زندہ رہ سکے اور ۱۱ ستمبر کو زیارت سے بذریعہ ہوائی جہاز کراچی تشریف لائے اور اسی دن دس بج کر پینتالیس منٹ پر پاکستانی عوام کا ہر دلعزیز لیڈر اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملا اور ہم ایک عظیم لیڈر سے محروم ہو گئے۔

ہمیں آج یہ عہد کرنا چاہیے کہ ہم اس عظیم ملک کی بُنیادوں کو ایسا مضبوط اور مُستحکم بنائیں گے کہ کسی دشمن کو آنکھ اُٹھا کر دیکھنے کی جرات تک نہ ہو۔ آج قائدِ اعظم کا پاکستان قائد کے نونہالوں، طالب علموں، محنت کشوں اور دوسرے ساتھیوں سے وہی پیار طلب کرتا ہے جو نونہالانِ قوم، طلبہ اور تمام طبقۂ فکر کے لوگوں کو قیامِ پاکستان سے پہلے تحریکِ پاکستان سے تھا۔ اللہ کرے ایسا ہی ہو۔

قائدِ اعظم ایک با اصول انسان

عبدالرشید تبسّم، حاصل پور

یوں تو بابائے قوم بانیِ پاکستان قائدِ اعظم ایسی بلند و بالا اور قد آور شخصیت ہیں کہ ان کے فضائل اور عظمتوں کا احاطہ کرنا ناممکن ہے۔ اُن کی زندگی ہزار پہلو رکھتی ہے۔ کس کس کو دیکھا جائے۔ اُن کی کتابِ زندگی کے ہزاروں ابواب ہیں۔ کس کس کی ورق گردانی کی جائے۔ وہ خصائلِ حمیدہ اور اوصافِ پسندیدہ کا مُجسمہ تھے۔ ذہانت، شرافت، دیانت، خودداری، تدبّر و فراست اور استقلال و استقامت جیسی قائدانہ صِفات خالقِ کائنات نے اُنھیں فراوانی سے عطا کر رکھی تھیں اور خود قائد نے اِن فطری صِفات کو سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلّم کی سیرتِ طیّبہ سے تاباں و درخشاں کر رکھا تھا، لیکن جس خوبی نے زیادہ متاثر کیا وہ اُن کی اصول پسندی ہے۔ یہی خوبی ان کے وقار، رعب شُجاعت اور استقلال کی امین ہے۔

قائد کی شخصیت وقتی مفاد اور گھٹیا مصلحتوں سے کوسوں دُور تھی۔ ان کی اصول پسندی کے باعث ان کی وسیع نظری اور عاقبت اندیشی مُسلّم تھی۔ وہ اپنے اصولوں کے پابند تھے۔ ان کی شخصیت مضبوط چٹان تھی جسے مُخالفوں کی عیّاریاں اور مکّاریاں ذرّہ بھر نہ ہلا سکیں۔ وہ سوچ کر ایک

موقف اختیار کرتے تھے اور نصب العین چنتے اور پھر اُس پر ڈٹے رہتے۔ اُن کے آہنی ضمیر کو نہ کوئی خرید سکتا تھا اور نہ کوئی جھکا سکتا تھا۔ اس مردِ آہن کی ٹھوس شخصیت خود کسی سے متاثر نہ ہوتی تھی بلکہ دوسروں کو متاثر کرتی تھی۔ ان کی سیرت ان کا کردار، ان کی سیاست، ان کا اخلاق ایک کھلی کتاب تھے۔ وہ منافقت، نعرہ بازی اور پروپیگنڈے کی سیاست پر لعنت بھیجتے تھے اور اصولی سیاست پر یقین رکھتے تھے۔ دلائل کے ذریعے ہر شخص اُنھیں قائل کر سکتا تھا۔ انھیں اپنے مقاصد، نصب العین اور اصولوں سے اس قدر والہانہ محبت تھی کہ بعض مصلحت کیش اور کم فہم لوگ ان کی اس روش کو ضد سے تعبیر کرتے تھے۔ ان کے عزم میں اس قدر بلندی تھی کہ وہ اپنے غم واندوہ میں بھی کسی کو شریک کرنا پسند نہ کرتے تھے۔ انھیں چاہے کتنے ہی مصائب کا سامنا کرنا پڑتا، وہ اپنی پالیسیوں اور اصولوں کے سبب زمانے کے حالات کا رُخ اپنے صحیح فیصلوں کے مطابق موڑ لیا کرتے تھے۔

بابائے قوم حضرت قائدِاعظم کی تاریخ ساز شخصیت ہمارے سامنے ہے جسے زمانے نے دیکھا، حالات نے پرکھا اور واقعات نے آزمایا۔ وہ ہر طرح سے ایک بہترین انسان، کامیاب سیاست داں اور بے مثل رہبر و رہنما تھے۔ نجی، معاشرتی، اخلاقی، آئینی اور سیاسی زندگی کے بارے میں اُن کے مستحکم اور ٹھوس اصول تھے جن کے ساتھ انھوں نے ہمیشہ وفاداری کی۔ اب انھوں نے ہمیں پاکستان دینے کے ساتھ ساتھ بہترین نمونۂ زندگی بھی دیا ہے۔ اس لیے ہمارا بحیثیت فرد بھی اور بحیثیت قوم بھی یہ فرض ہے کہ ان کی زندگی کو نمونہ بنائیں اور ان کے اصولوں کو مشعلِ راہ کے طور پر اپنائیں اور ان کی طرح بااصول، زبان کے سچے، قول کے پکے اور اعلا کردار کے انسان بنیں۔

اقبال کے لطیفے

ریحانہ ریاض عالم، کوٹری

علّامہ اقبال کے ایک استاد بہت لمبے تھے۔ طالب علموں نے ان کا نام "ماسٹر جھنڈا" رکھ چھوڑا تھا۔ ایک دن اقبال نے ماسٹر صاحب کی ہجو میں ایک شعر لکھا اور کلاس روم کے دروازے پر چاک سے لکھ دیا۔ یہ شعر پڑھ کر ماسٹر صاحب بہت ناراض ہوئے۔ معاملہ ہیڈ ماسٹر کے پاس پہنچ گیا۔ اقبال کی طلبی ہوئی اور اُن پر اس شعر کے کہنے کی سزا میں آٹھ آنے جرمانہ کیا گیا۔ جو اس زمانے میں خاصی بڑی رقم تھی۔ دوسرے دن اقبال ہیڈ ماسٹر کے کمرے میں پہنچے اور ان کی خدمت میں جا کر ایک رُپیہ ان کی میز پر رکھ دیا۔ ہیڈ ماسٹر صاحب نے اٹھنی واپس دینی چاہی، جس پر علاّمہ کہنے لگے "حضور بقایا آٹھ آنے بھی اپنے پاس ہی رکھیے۔"

ہیڈ ماسٹر صاحب نے پوچھا "کیوں؟"

علامہ نے کہا: "اس لیے کہ ماسٹر صاحب کی شان میں ایک اور شعر موزوں ہو گیا ہے۔ جس کا جرمانہ پیشگی ادا کرنا چاہتا ہوں۔"

علامہ اقبال بچپن میں نہانے سے بہت گھبراتے تھے۔ اس لیے بڑی محنت بلکہ زبردستی کرنی پڑتی تھی۔ غسل نہ کرنے کے

لیے ان کے پاس جواز یہ تھا کہ صابن صرف کالے آدمیوں کے لیے ایجاد ہوا ہے۔ وہ چوں کہ گورے ہیں اس لیے انھیں نہانے اور صابن کی ضرورت نہیں ہے۔

چودھری شہاب الدین علامہ اقبال کے بڑے بے تکلف دوست تھے اور علامہ ان کے بارے میں عموماً لطائف تصنیف کرتے رہتے تھے۔ ایک دن کہنے لگے ایک روز میں شہر سے دور جنگل کی طرف نکل گیا۔ وہاں مجھے ایک بدہیئت کالی کلوٹی عورت بے تحاشا جنگل کی طرف دوڑتی ہوئی نظر آئی۔ میں نے ذرا ہمت کر کے اس سے پوچھا، وہ کون ہے اور کہاں جا رہی ہے۔ عورت نے کہا، "میرا نام طاعون ہے اور میں بہت عرصے کے بعد شہر چھوڑ کر جنگل جا رہی ہوں، اس لیے کہ اب وہاں چودھری شہاب الدین پہنچ گئے ہیں جن کے آنے کے بعد اب میری ضرورت نہیں رہی۔" (ماخوذ)

نونہال کیسے خریدا جائے

عبدالرشید مرکی، جیکب آباد

ارشد آج بہت اُداس اور مایوس تھا، کیوں کہ کل اُس نے اپنے دوست عمران کو نونہال پڑھتے ہوئے دیکھا تھا۔ مایوس اس لیے تھا کہ اس کے پاس نونہال نہیں تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ نونہال کا تازہ شمارہ کس طرح خریدا جائے۔ وہ اس سوچ میں غرق تھا کہ اچانک اس کی امی اس کے کمرے میں داخل ہوئیں۔ انھوں نے ارشد کو مایوس دیکھ کر پوچھا، "ارشد آج تم بہت مایوس نظر آرہے ہو، آخر بات کیا ہے؟" ارشد نے جواب دیا، "کچھ بھی نہیں امی۔"

اس کی امی چلی گئیں تو اس نے سوچا اب کیا کیا جائے؟ اچانک اس کے چھوٹے سے دماغ میں ایک ترکیب آئی۔ وہ اسکول چلا گیا۔ اُس نے جب اپنے دوستوں کو نونہال پڑھتے دیکھا تو اس نے عمران سے کہا، "دوست، مجھے ایک روز کے لیے نونہال پڑھنے کے لیے دو، میں کل پڑھ کر واپس کر دوں گا۔" گھر پہنچتے ہی وہ جلدی سے کتاب رکھ کر امی کے پاس گیا اور کہا، "دیکھیے امی آج میں کیا لایا ہوں؟" امی نے پوچھا، "کیا لائے ہو؟" تو ارشد نے کہا، "امی دیکھیے، اس میں بہت اچھی اچھی کہانیاں ہیں اور حکیم محمد سعید کی اچھی اچھی باتیں ہیں۔ امی سب کام چھوڑ کر ایک کہانی سُنیے۔"

ارشد نے امی کو ایک کہانی سنائی اس کے بعد دوسری سنائی۔ امی نے کہا، "بیٹا دوسری کہانیاں کل سنیں گے۔ آج بہت کام ہے۔"

ارشد نے کہا، "امی کل کیسے سنیے گا؟ یہ نونہال میرا نہیں ہے میرے دوست کا ہے، کل میں واپس کر دوں گا۔"

امی نے کہا، "بیٹا تم اسے خرید کیوں نہیں لیتے؟"

ارشد نے کہا، "امی دراصل بات یہ ہے کہ...."

ارشد بول نہ سکا۔ امی نے کہا، "اچھا، میں سمجھ گئی تمھارے پاس پیسے نہیں ہیں۔"

"جی ہاں، بات دراصل یہی ہے۔"

امی نے اُسے پیسے نکال کر دیے اور وہ جلدی سے قریب کے بک اِسٹال سے نیا نونہال خرید کر لے آیا۔ اس نے عمران کو اس کا نونہال واپس کر دیا اور وہ اپنی امی کو کہانیاں

سنانے لگا اس طرح اس کی مایوسی دُور ہو گئی اور اس کے ساتھ اس کی امّی بھی خوش ہوئیں۔

محنت

زیب شام، کراچی

نادیہ ایک بہت غریب لڑکی تھی۔ اُسے پڑھنے لکھنے کا بہت شوق تھا۔ وہ ہمیشہ سوچتی رہتی کہ میں پڑھ کر ڈاکٹر بن جاؤں، لوگ میری عزت بھی کریں گے اور میرے بابا کا نام بھی روشن ہو گا وہ سوچتی رہ جاتی، عمل نہ کر پاتی کیوں کہ وہ بہت ہی غریب تھی۔ ایک روز اُس نے اپنے بابا سے کہا مجھے کتابیں لادیں، میں پڑھنا چاہتی ہوں۔ بابا نے کہا بیٹی تمھیں معلوم ہے میں اتنا نہیں کماتا کہ تمھاری پڑھائی کا خرچ بھی برداشت کر سکوں۔ نادیہ نے کہا، بابا، جب میں ڈاکٹر بن جاؤں گی تو آپ کے سارے دُکھ ختم ہو جائیں گے اور آپ گھر میں آرام کیجیے گا۔ بابا کی آنکھوں میں آنسو آگئے انھوں نے کہا، بیٹی، میں زمین دار سے بات کروں گا۔ پھر انھوں نے زمین دار سے بات کی اور نادیہ کی خواہش بتائی۔ زمیں دار نیک دل تھا۔ اس نے کہا ٹھیک ہے میں خرچہ کر دوں گا، مگر ڈاکٹر بن جانے کے بعد میری ساری رقم لوٹا دینا۔

یوں زمیندار کی مدد اور اپنی محنت لگن سے نادیہ ایک دن ڈاکٹر بن چکی تھی۔ زمیندار نے اس سے قرض بھی نہیں لیا، کیوں کہ گاؤں والوں کو ایک ذہین ڈاکٹر کی ضرورت تھی۔ نادیہ اسی گاؤں کے لوگوں کی خدمت کرنے لگی۔ اس نے شہر جا کر جلد سے جلد مال دار بننے کا لالچ نہیں کیا

گلہری کا بدلا

صائمہ صدف عبدالمجید خاں، سکھر

ایک تھی گلہری۔ اُس کا گھر ایک پرانے گھر کی دیوار کے موکھے میں تھا۔ اُس کے دانت اتنے تیز تھے کہ ذرا سی دیر میں سخت سے سخت چیز کُتر کُتر کے ڈھیر لگا دیتی۔ مونگ پھلیاں تو ایسی پیارے انداز سے ننھے منّے ہاتھوں سے پکڑ کر چھیل چھیل کر کھاتی کہ بس چُپ چاپ بیٹھے دیکھتے ہی جاؤ خالہ بلّی کو دیکھ کر تو ایسی چٹ، چٹ، چٹا چٹ چٹ کرتی ہوئی بھاگتی کہ خالہ بی ہونٹوں پر زبان پھیر کے صبر کر کے بیٹھ جاتیں کبھی کبھی وہ دھوکا دینے کے لیے آنکھیں بند کر کے اس طرح پڑ جاتیں جیسے بڑی گہری نیند سو رہی یا مر گئی ہیں مگر گلہری خالہ بلّی سے بھی ہوشیار تھی۔ وہ اور بھی زور سے دُم ہلا ہلا کر چٹ، چٹ کرتی، جیسے کہہ رہی ہو "بس خالہ بلّی بہت سو چکیں اب اُٹھ جاؤ، میں دھوکے میں آنے والی نہیں تم مجھے نہیں پکڑ سکتیں"۔ خالہ بلّی بڑی سوچتی رہتیں کہ گلہری سے اس بدتمیزی کا بدلہ کیسے لیں۔ آخر ایک ترکیب اُن کی سمجھ میں آگئی۔

کوّا تو خالہ بلّی سے ڈرتا ہی نہیں، دو گز پرے بیٹھا کائیں کائیں کرتا ہے کہ دیکھو شیر کی خالہ، میں تمھارے کتنے قریب بیٹھا ہوا ہوں اور تم مجھے پکڑ بھی نہیں سکتیں تمھارا زور تو بیچاری چڑیوں اور بھولے بھولے کبوتروں پر چلتا ہے کہ گلا بھی دبا دو تو چُوں نہیں کرتے، ذرا مجھے چھیڑ کے

دیکھو، میرے سب دوست رشتے دار کیسے کائیں کائیں کر کے تمھارے سر پر ٹھونگیں ماریں گے کہ بس بھاگتی نظر آؤ گی۔ ایک دن کوّا بیٹھا ہوا تھا کہ بلّی بڑی نرمی سے بولی "میاؤں کوّے! میاؤں کیسے ہو؟" کوّا کائیں کائیں کر کے زور سے ہنسا۔ "کیا تم یہ پوچھ رہی ہو کہ میرا گوشت کیسا ہے؟ میرا گوشت چڑیوں اور کبوتروں جیسا مزے دار نہیں ہوتا۔" بلّی نے کہا، "نہیں بھئی، میں تو ابھی اتنے چھیچھڑے کھا کر آئی ہوں کہ چلا بھی نہیں جاتا۔" بلّی صاف جھوٹ بول رہی تھی۔ بیچاری کو چار دن سے مرا ہوا چوہا تک نصیب نہیں ہوا تھا۔ "میں تو تمھارے بھلے کی بات کہہ رہی ہوں۔ ذرا غور سے سنو! بات یہ ہے کہ وہ جو دیوار میں موکھا ہے، اس میں گلہری کا گھر ہے۔ میں نے بہت دنوں سے گلہری کو روئی کے پھوئے، نرم نرم کپڑوں کی کترنیں، سُتلی کے ٹکڑے اور کسی ننھی منّی سی بچّی کی گرم جراب بھی لے جاتے دیکھا تھا۔ اس نے یہ انتظام اپنے بچّوں کے لیے کیا ہے، اور معلوم ہے گلہری نے کتنے بچّے دیے ہوں گے؟"

"تم ہی بتاؤ!" کوّے نے خوش ہو کر پوچھا۔

"تین چار ہوں گے، حلوے کی طرح نرم، نہ ان کے دانت ہوں گے نہ پنجے۔ دیکھ لو کیسی اچھی خبر سنائی ہے۔" یہ سُن کر کوّے کے منھ میں پانی بھر آیا۔ آہا! کیسے مزے کے ہوں گے۔

دوسرے ہی دن کوّے نے موکھے میں جھانکا تو سچ مچ تین چار بچّے پڑے تھے، لیکن تھے بہت دُور، اور موکھا آگے سے بہت چھوٹا تھا۔ گلہری نے یہ سب کچھ دیکھ لیا۔ کوّا اسی دن سے تاک میں لگ گیا کہ موقع ملے اور گلہری کے بچّوں کو کھائے۔ جب گلہری باہر ہوتی تو کوّا روٹی کا ٹکڑا چونچ سے سوراخ میں ڈال کر بیٹھ جاتا کہ بچّے اُسے کھانے آئیں تو پکڑ لوں۔

ایک دن گلہری جلدی آگئی۔ اُس نے کوّے کو جو دیکھا تو غصّے کی حد نہ رہی۔ باہر اینٹ پر بیٹھ کے کوّے کو خوب بُرا بھلا کہا کہ تو میرے بچّوں کو کھائے تو اللہ کرے کوئل بھی تیرے انڈے پھینک دے اور تو نوکروں کی طرح کوئل کے بچّے پالے۔

اس دن سے گلہری نے قسم کھائی کہ جب تک اس کالے کلوٹے کوّے سے بدلا نہ لوں گی چین سے نہیں بیٹھوں گی۔ برسات شروع ہوئی تو گلہری اپنے گھر میں کھانے کا ذخیرہ کر کے چُھپ کے بیٹھ گئی۔ کوّا اپنے وقت پر یہ سمجھ کے آیا کہ بچّے اکیلے ہوں گے۔ کیا خبر آج دھوکا کھا جائیں اور میں انھیں پکڑ لوں۔ جیسے ہی کوّے نے اندر چونچ ڈالی، گلہری نے اپنے تیز دانتوں سے کوّے کی چونچ پکڑ لی۔ اس کے تیز دانت چھالیہ اور بادام کے چھلکوں جیسی سخت چیزیں کترنے والے، سُوئیوں کی طرح کوّے کی چونچ میں گھُس گئے، اور اسے ایسا دبایا کہ بیچارہ کیں کیں بھی نہ کر سکا اور گلہری نے اس کی چونچ کتر ڈالی۔ کوّا چیختا ہوا اُڑا۔ ایک تو اُس کی چونچ میں سخت تکلیف، دوسرے یہ شرمندگی کہ سب کوّے چڑائیں گے کہ میاں! گلہری کے بچّے کھانا کوئی کھیل نہیں ہے۔ وہ اُڑتا اُڑتا دُور جنگل میں پرندوں کے ڈاکٹر بوڑھے گدھ کے پاس پہنچا اور عرض کیا کہ خدا کے لیے ڈاکٹر صاحب، میری چونچ ٹھیک کر دیجیے۔ بوڑھے گدھ کو خوب یاد تھا کہ کسی مرے ہوئے جانور کی دعوت اُڑاتے وقت

کوا اس کے منھ سے نوالہ چھین کر لے گیا تھا۔ اُسے بدلے کا خوب موقع ہاتھ آیا۔ بے پروائی سے بولا "میاں کوّے تم یہ چونچ ہی کٹوا دو۔ اس نوک ٹوٹی چونچ کا کیا کرو گے؟" کوا یہ سن کر ہائے ہائے کرتا ہوا اُڑ گیا اور اپنے گھونسلے میں پہنچا۔ کوّی بہت روئی پیٹی کہ اِسی دن کے لیے منع کرتی تھی۔ اس موئی گلہری سے اللہ بچائے۔ بیچاری کی عجیب مشکل میں جان تھی۔ کبھی بچوں کو چوگا دیتی، کبھی چونچ کترے کو کھلاتی۔ کوا ہر وقت رنجیدہ رہتا۔ کبھی کبھار غصے میں آتا تو گانے لگتا:

کاؤں، کاؤں، کاؤں، کاؤں،
بلّی تجھ کو کیسے پاؤں،
ہائے تجھ کو کیسے پاؤں،
مل جائے تو کچّا کھاؤں!

اب بھی جب کوے کو کہیں بلی نظر آتی ہے تو کائیں کائیں کرکے اُڑتا جاتا ہے۔ اور پنجے مارتا جاتا ہے، مگر اس سے کیا فائدہ، چونچ تو بیکار ہو ہی گئی۔

شہزادی نور

صائمہ انیس، کراچی

پیارے بچو! ایک زمانے میں ایک رحم دل بادشاہ کسی ملک پر حکومت کرتا تھا۔ اس کا نام بادشاہ جمال تھا۔ بادشاہ جمال کی بیوی کا نام ملکہ زیب النسا تھا۔ وہ بھی بادشاہ کی طرح نیک اور رحم دل تھی۔ ساری رعایا بادشاہ اور ملکہ سے بہت خوش تھی اور اُن سے بہت پیار کرتی تھی۔ اُن کے پاس خدا کی تمام نعمتیں تھیں، لیکن اُن کے پاس سب سے بڑی نعمت، یعنی اولاد نہ تھی۔ ایک دفعہ بادشاہ اپنی خواب گاہ میں گیا تو ملکہ کو پریشان دیکھ کر خود بھی پریشان ہو گیا اور ہمدردی سے پوچھا، "کیا بات ہے زیب النسا، آج آپ اتنی اُداس کیوں ہیں؟" ملکہ بولی "ہماری شادی کو ۳ سال ہونے کو آئے۔ اب تک ہمارے ہاں کوئی اولاد نہیں ہوئی۔" یہ سن کر بادشاہ بھی بڑا اُداس ہو گیا پھر اُس نے ملکہ کی ہمت باندھنے کے لیے کہا "ملکہ آپ گھبرایئے نہیں، ہر کام خدا کے اختیار میں ہوتا ہے، اگر آپ کا حوصلہ ٹوٹ گیا تو مجھے سہارا کون دے گا؟" ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ملکہ اپنے محل کے پائیں باغ میں گلاب کی کیاری کے پاس بیٹھی ہوئی تھی کہ ایک بہت ہی خوب صورت رنگین چڑیا ملکہ کی گود میں آکر بیٹھ گئی۔ ملکہ اس خوب صورت چڑیا کو اُٹھا کر پیار کرنے لگی۔ پھر اچانک ملکہ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ چڑیا ملکہ کے آنسو دیکھ کر بولی، "اے ملکہ! تُو رو کیوں رہی ہے؟" تو ملکہ بولی "میرے ہاں کوئی اولاد نہیں ہے۔ اس لیے رو رہی ہوں۔" چڑیا بولی، "بس اتنی سی بات ہے۔ اچھا تو سنو تمھارے باغ کے عقب میں جو آم کا پُرانا درخت ہے اس کا ایک آم روز کھایا کرو۔ اِن شاء اللہ نو مہینے کے بعد تمھارے ہاں ایک چاند سی بچّی پیدا ہوگی، جس کا نام تم شہزادی نور رکھنا۔ وہ بڑی ذہین اور خوب صورت ہوگی، لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ اس کی شادی کسی ذہین اور بہادر شہزادے سے ہو اس لیے تم اس شہزادے کا دو طرح سے امتحان لینا۔ ایک امتحان ذہانت کا اور دوسرا بہادری کا۔" یہ باتیں بتا کر چڑیا اُڑ گئی۔ ملکہ اب بہت خوش رہتی، کیوں کہ اسے یقین تھا کہ اُس کے ہاں بچّی ضرور ہوگی۔ اس لیے وہ روز پرانے درخت

کا ایک آم کھاتی۔ رنگین چڑیا کے کہنے کے مطابق ٹھیک نو ماہ کے بعد ملکہ نے ایک پیاری سی، بچی کو جنم دیا، جس کا نام شہزادی نور رکھا گیا۔ شہزادی نور واقعی بہت خوب صورت اور ذہین تھی۔ اس کے پیدا ہوتے ہی بادشاہ نے خزانے کے منھ کھول دیے۔ غریبوں، یتیموں اور مسکینوں میں مٹھائیاں تقسیم ہوئیں۔ گھر گھر چراغاں ہوا۔ پورے ملک میں خوشیاں منائی گئیں۔ جب شہزادی بڑی ہوئی تو بادشاہ اور ملکہ کو اس کی شادی کی فکر ہوئی، چڑیا کی ہدایت کے مطابق شہزادی کے رشتے کے لیے دو شرطیں رکھی گئیں۔ ایک یہ کہ وہ کون سی شے ہے جس کو اگر قتل بھی کیا جائے تو گناہ نہیں ہوتا بلکہ ثواب ملتا ہے۔ کئی ملکوں کے شہزادے سوال حل کرنے کے لیے آئے، مگر کوئی بھی شرط نہ جیت سکا۔ آخر میں ملک یمن کا شہزادہ دانش بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ بادشاہ بولا، "کیا تم سوال کا جواب دے سکتے ہو جو میں تم سے کروں گا؟" شہزادہ بولا، "اِن شا اللہ ایسا ہی ہوگا۔" بادشاہ بولا، "میرا پہلا سوال یہ ہے کہ وہ کون سی چیز ہے جسے قتل کرنے سے گناہ نہیں ہوتا، بلکہ ثواب ملتا ہے۔" شہزادہ کچھ دیر سوچ کر بولا، "وہ چیز ناخن ہے، اگر ہم ناخن کو قتل کریں، یعنی کاٹیں تو گناہ نہیں ہوتا، بلکہ ثواب ملتا ہے۔" بادشاہ بولا، ایک سوال کا جواب تو تم نے دے دیا۔ اب دوسرا سوال میں تم کو کل بتاؤں گا۔" شہزادے نے اصرار کرتے ہوئے کہا، آپ آج ہی بتائیں۔" بادشاہ نے کہا، "تمھیں اٹلس پہاڑ پر جا کر جادو کے سیب لانے ہوں گے۔" شہزادہ بولا، "آپ مجھے کھانے پینے کا تھوڑا سا سامان اور ایک گھوڑا عنایت فرمائیں۔" بادشاہ بولا، ضرور، ضرور، تمھیں ابھی یہ سارے سامان مل جائیں گے۔" تھوڑی دیر میں سارا سامان شہزادہ دانش کے سامنے حاضر تھا۔ وہ فوراً گھوڑے پر سوار ہو کر روانہ ہو گیا۔ راستے میں رات کو اس نے ایک جھونپڑی میں روشنی دیکھی تو جھونپڑی کا رُخ کیا۔ اندر داخل ہوتے ہی اس نے ایک سفید ریش بزرگ کو دیکھا۔ وہ عبادت میں مصروف تھے۔ شہزادہ دانش چوں کہ بزرگوں کا احترام کرتا تھا۔ اس لیے وہ ادب سے ایک طرف بیٹھ گیا۔ جب وہ بزرگ عبادت سے فارغ ہوئے تو انھوں نے شہزادے کی طرف دیکھ کر کہا، "ہمیں سب معلوم ہے کہ تم کس لیے آئے ہو اس کام کے لیے میں تمھیں ایک تلوار اور گھوڑا دیتا ہوں۔ گھوڑا تمھیں ایک ایسی جگہ اُتار دے گا جہاں پہنچ کر گھوڑا چھوٹا ہو جائے گا۔ وہاں سے تم اس کو جہاں بھی کہو گے تمھیں لے جائے گا اور اس تلوار سے تم اس دیو کو بسم اللہ پڑھ کر ہلاک کر دینا۔ شہزادہ یہ چیزیں لے کر وہاں سے روانہ ہو گیا۔ بزرگ نے جیسا کہا تھا ویسا ہی ہوا۔ گھوڑا ایک جگہ جا کر رُک گیا تو شہزادہ دانش نے اس کو اٹلس پہاڑ پر چڑھنے کے لیے کہا۔ گھوڑا اسے لے کر اٹلس پہاڑ پر پہنچ گیا۔ شہزادہ تلوار سونت کر دیو کی تلاش میں نکل پڑا اس کو ایک طرف سے دیو آتا نظر آیا۔ اس نے شہزادے کو دیکھ کر اپنی تلوار سونت لی لیکن شہزادے نے اسے موقع دیے بغیر اُس کی گردن اڑا دی اور پہاڑ سے سیب توڑ کے لے آیا۔ پھر اُس کی شادی شہزادی نور سے ہو گئی اور سب ہنسی خوشی رہنے لگے۔

جھوٹ

محمد جاوید، کراچی

ننھے کو اپنی امی سے بہت پیار تھا اور یہ بات ننھے کے تمام دوستوں کو معلوم تھی۔ اسی لیے تو جب ننھے نے ماں کی قسم کھائی تو ناز نے عقل میں نہ آنے والے ننھے کے اس جھوٹ پر یقین کر لیا کہ ننھے نے اپنے اسکول کرکٹ میچ میں بارہ چھکے لگائے۔ ننھا ان بچوں میں سے نہیں تھا جو ہر وقت

قسم کھاتے رہتے ہیں، لیکن اس کے پاس اس وقت ناز کو یقین دلانے کے لیے کوئی چارہ نہیں تھا لہٰذا اس نے ماں کی جھوٹی قسم کھالی اور ناز نے یہ جانتے ہوئے بھی کہ ننھے کو کوئی خاص کرکٹ کھیلنا نہیں آتا پھر بھی اس جھوٹ پر قسم کھانے کی وجہ سے یقین کر لیا، لیکن جب ننھا گھر گیا تو اس نے دیکھا کہ امی بیمار ہو گئی ہیں۔

"اچھی امی آپ کو کیا ہو گیا ہے؟"

"میرے لال مجھے بخار ہے اور میرے سر میں بھی شدید درد ہے۔" ننھا آہستہ سے کمرے سے باہر آگیا۔ اُسے بہت دُکھ ہوا، کیوں کہ اُس نے جھوٹی قسم کھائی تھی اور اب ننھے نے سوچا کہ بارہ چھکے تو بہت ہوتے ہیں، اگر میں صرف دس یا آٹھ کہتا تو ممکن تھا کہ امی اتنی بیمار نہ ہوتیں۔ ننھے نے سوچا اچھا ہوا میں نے پندرہ چھکے نہیں کہے۔ مجھے صرف آٹھ چھکوں کا کہنا چاہیے تھا۔

خیالوں کے اسی اتار چڑھاؤ میں سیڑھیوں سے بھاگ کر اترنے لگا۔ راستے میں رکھی ہوئی کوڑے کی ٹوکری کو ایک لات رسید کی اور دوڑتا ہوا ناز کے گھر پہنچا۔ ننھے نے ناز کو آواز دی ناز، ناز

"کیا بات ہے؟" ناز نے تعجب سے پوچھا "میں... میں نے صرف آٹھ چھکے لگائے تھے۔

"لیکن صبح تو تم کہہ رہے تھے بارہ۔"

"نہیں نہیں صرف آٹھ۔"

ننھا واپس اسی تیزی سے گھر پہنچا کمرے میں جھانک کر دیکھا تو کمرے میں امی کے علاوہ ڈاکٹر صاحب اور ابو بھی امی کے پلنگ کے قریب موجود تھے۔ ڈاکٹر صاحب کو دیکھ کر ننھے نے سوچا۔ اگر ڈاکٹر صاحب کو معلوم ہو گیا کہ امی کی بیماری کی وجہ ننھے کی جھوٹی قسم ہے تو کیا ہوگا۔ اگر میں نے امی سے صرف پانچ یا چار چھکوں کا جھوٹ بولا ہوتا تو ممکن تھا کہ ڈاکٹر صاحب کے ماتھے پر اتنے بل نہ پڑے ہوتے اور وہ اتنا سنجیدہ نظر نہ آتے۔

ننھا ایک مرتبہ پھر تیز تیز سیڑھیاں اترتا ہوا ناز کے گھر پہنچا اور کہا "ناز، میں نے صرف چار چھکے لگائے تھے۔"

"اچھا اچھا، اِدھر آؤ!" ناز نے کہا۔ ننھا انکار کرنے کے بعد فوراً گھر پہنچا۔ ننھے نے دیکھا کہ ڈاکٹر صاحب ابھی تک امی کا معاینہ کر رہے تھے۔ ننھے نے سوچا اگر امی نے اپنی بیماری کی وجہ پوچھی اور ڈاکٹر صاحب نے کہہ دیا کہ آپ کے ننھے نے جھوٹی قسم کھائی تھی تو امی کو بہت افسوس ہوگا ہو سکتا ہے انھوں نے میری حمایت کی ہو اور کہا ہو کہ ہمارا ننھا کبھی جھوٹ نہیں بولتا۔

ننھے نے ایک مرتبہ پھر ناز کے گھر جانے کا فیصلہ کیا۔ بہت تیزی سے سیڑھیوں کی ریلنگ سے پھسلتا ہوا نیچے پہنچا اور ناز کے گھر کی طرف دوڑ پڑا۔ ناز کو دیکھتے ہی ننھا چلایا "ناز۔"

"کیا بات ہے؟" ناز نے پوچھا۔

"مَیں نے کوئی چھکا نہیں لگایا تھا اور نہ میں نے کوئی کرکٹ میچ کھیلا۔"

ننھا یہ کہہ کر تیزی سے پلٹا اور دوڑتا ہوا اپنے گھر پہنچا۔ ڈاکٹر صاحب رخصت ہو چکے تھے۔ والد صاحب دوا خریدنے گئے تھے۔ ننھا جلدی سے امّی کے قریب پہنچا، امّی اسے دیکھ کر مسکرائیں۔ ننھے نے کہا، "اچھی امّی اب آپ بالکل ٹھیک ہو جائیں گی۔" اب ننھے کا دل صاف ہو چکا تھا۔ اور اس نے کبھی قسم نہ کھانے کا عہد کر لیا تھا۔

اصلاح معاشرہ

اشفاق احمد بھٹی، واہ چھاؤنی

آج اس معاشرے کے حسّاس انسان کو جو جنگ لڑنی پڑ رہی ہے وہ ایک چومکھی لڑائی ہے آپ پاکیزگی کی تمنا لے کر آگے بڑھتے ہیں اور اس کے ساتھ ہی جنگ کا آغاز ہوتا ہے۔ آپ حساس ہیں لیکن برائی بھی تو حساس ہے آپ پاکیزگی کے لیے حساس ہیں برائی اپنے وجود کے بارے میں حساس ہے آپ پاکیزگی کو سربلند کرنا چاہتے ہیں لیکن بدی کی طاقتیں کہتی ہیں کہ یہاں ہمارا راج رہنا چاہیے۔ یہی وہ جنگ ہے جو آج ہمارے معاشرے میں لڑی جا رہی ہے اور اس طرح زندگی کئی محاذوں پر بٹ چکی ہے کہ عام اذہان

والے اپنے آپ کو جکڑا ہوا محسوس کرتے ہیں۔ انھیں سب سے بڑا سوال یہ دکھائی دیتا ہے کہ اصلاح کا آغاز کہاں سے ہو؟ حال آں کہ اصلاح کا آغاز کوئی الجھاؤ نہیں رکھتا۔ آپ اپنے آپ سے اس کام کا آغاز کر کے سب سے اچھا آغاز کر سکتے ہیں۔ یہ آغاز ہی تو پگڈنڈی ہے جو آگے ایک شاہراہ بن جاتی ہے کیا آپ پاکیزگی اور بھلائی کے لیے جینا چاہتے ہیں؟ اور اگر آپ کا جواب اثبات میں ہے تو اپنا جائزہ لیجیے اور دیکھیے کہ آپ کی زندگی اس پاکیزگی اور بھلائی کی مظہر ہے جس کے لیے آپ جینا چاہتے ہیں؟

اگر آپ اپنے بارے میں بے بس ہیں تو ماحول کا شکوہ کس لیے اور معاشرے کی شکایت کیوں؟ زندگی اگر "پاکیزگی" اور "اخلاقِ حسنہ" کے الفاظ کی گردان سے ہی پاکیزہ بن سکتی ہے تو اس وسیع و عریض دنیا میں نیکی اور بدی کی کشمکش کا کوئی ادنا سا جواز بھی تھا؟ آپ اپنے آپ سے جس بھلائی کا آغاز کریں گے اس کا راستہ آخر کون روک سکے گا۔ آپ کی حیثیت فیصلہ کُن ہے۔ آپ بظاہر ایک فرد ہیں لیکن آپ ہی تو ایک عظیم کارواں ہیں۔ اپنی ذات سے جب کام کا آغاز کریں گے تو بہت جلد آپ کی نگاہ اپنے گھر پر پڑے گی۔ لازماً زندگی کی تعمیر آپ کے گھر کا نقشہ مرتب کرتی چلی جائے گی۔ اپنے گھر کی اہمیت کو کبھی فراموش نہ کیجیے معاشرے کی جو تصویر آپ دیکھنا چاہتے ہیں اس کا پہلا عکس آپ کا گھر ہی تو پیش کرتا ہے۔ آپ کا گھر ایک بستی بھی ہے اور ایک ملک بھی ہے۔ آپ "پاکیزگی" اور "اخلاقِ حسنہ" کے لیے جتنا چاہتے ہیں تو آپ کام کا آغاز کریں۔ آپ تنہا نہیں ہیں۔ اس

منزل کے راہی تو برسوں سے مصروفِ پیکار ہیں۔ اپنی انفرادی زندگی میں عظیم تر پاکیزگی اور بھلائی کے کام ہیں آپ کو اجتماعی زندگی میں بہت سے ساتھی سرگرم ملیں گے۔

"اجتماعی زندگی" کے الفاظ سن کر ممکن ہے آپ یہ سوچیں کہ آپ "سیاسی آدمی" نہیں ہیں، اس لیے آپ کا اجتماعی جدوجہد سے کیا واسطہ، لیکن بہت جلد آپ کو احساس ہوگا کہ یہ وہ مغالطہ ہے جو صرف بدی کی طاقتوں کے کام آسکتا ہے۔

لاہور کی سیر

مدثر عمر، کراچی

لاہور ہمارے ملک کا بہت مشہور شہر ہے۔ اس کی شہرت کی سب سے بڑی وجہ اس کی تاریخی حیثیت ہے مغل بادشاہوں کے دور میں اس شہر کی عظمت اپنے عروج پر تھی۔ یہاں بہت سے قابلِ دید مقامات ہیں۔ اس کے بارونق بازار، خوش نما باغات، بادشاہوں کے مقبرے، مسجدیں، شاہی قلعہ اور اس کے اندر واقع عمارتیں، حضوری باغ اور عجائب گھر بہت مشہور ہیں۔ اس کے علاوہ اس کے صنعتی کارخانے، شہر کی بڑی بڑی دکانیں، کئی کئی منزلہ عمارتیں، ہوٹل، پنجاب یونی ورسٹی، ریڈیو اور ٹیلے وژن کے مراکز، گورنر ہاؤس، ریلوے اسٹیشن، قذافی اسٹیڈیم، مینارِ پاکستان اور شالیمار باغ بہت ہی خوب صورت ہیں۔ شالیمار باغ بادشاہ شاہجہاں نے بنوایا تھا۔ اس کے وسیع حوض، فوارے، آبشار، پختہ راستے، سنگِ مرمر کی بارہ دریاں، اونچے اونچے تناور درخت اور گھاس کے ہرے بھرے قطعے بے حد دل فریب ہیں کیاریوں میں رنگ برنگ کے پھول کھلے ہوئے ہیں۔ باغ کا درمیانی حصہ سنگِ مرمر کے تین بلند چبوتروں پر مشتمل ہے، جو ایک دوسرے سے سیڑھیوں کے ذریعے سے ملے ہوئے ہیں۔ یوں تو اِس باغ کا ہر حصہ دیکھنے کے قابل ہے، لیکن اصل سیرگاہ یہی درمیانی حصہ ہے۔ شاہی قلعہ میں پہنچ کر ایسا لگتا ہے کہ یہ قلعہ نہیں بلکہ ایک چھوٹا سا شہر ہے۔ عالی شان اور کشادہ عمارتیں، جو مختلف حکمرانوں نے اپنے اپنے دور میں بنوائیں اس قلعے کی تاریخی حیثیت میں اضافہ کرتی ہیں۔ قلعے کے ساتھ ہی شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کی بنوائی ہوئی سنگِ مرمر کی عظیم الشان مسجد ہے۔ اس کے گنبد سنگِ مرمر کے ہیں۔ صدر دروازے کے باہر ہمارے قومی شاعر علامّہ اقبال کا مزار ہے۔ شاہی مسجد کے علاوہ مسجد وزیر خان، سنہری مسجد اور موتی مسجد بھی قابلِ دید ہیں۔ یہاں سے مینارِ پاکستان کو دیکھو تو یوں معلوم ہوتا ہے جیسے دس پنکھڑیوں کے ایک خوب صورت پھول کو اُلٹا رکھ دیا گیا ہے۔ ان پنکھڑیوں کے درمیان سنگِ مرمر کے بنے ہوئے دروازے کی سِلوں پر نہایت خوب صورت انداز میں قرآنی آیات، علامّہ اقبال کے اشعار، قرارداد پاکستان اور تحریکِ آزادی کے مقاصد کندہ ہیں۔ مینار کی آخری منزل سے لاہور کا نظارہ کیا جائے تو ایسا لگتا ہے جیسے یہ کوئی گڑیوں کا شہر ہو۔ ننھے منے مکانات، چھوٹے چھوٹے درخت ہو دریائے راوی ایک بل کھاتا ہوا سانپ نظر آتا ہے۔ غرض یہ ایسا منظر ہے، جس کی دل فریبی کا اندازہ مینار پر چڑھے بغیر نہیں ہوسکتا۔

ننھے قارئین لکھتے ہیں

● اکتوبر ۸۶ء کا شمارہ اس وقت موصول ہوا جب میرا سیکنڈ ایئر کا نتیجہ نکلا اور میں نے اردو سائنس کالج سے ساڑھے ۶۴ فیصد نمبروں سے فرسٹ ڈویژن حاصل کرلی۔ اکتوبر کا شمارہ اچھا ہے مگر خاص نمبر کی وجہ سے نظروں کے سامنے پھیکا پھیکا لگ رہا ہے۔ پہلی بات جان دار ہے۔ جاگو جگاؤ بے دار ہے۔ نونہال سردار ہے۔ برکاتی انکل جی دار ہیں۔ مجیب ظفر انوار، کراچی

● میری ایک تجویز نوٹ کرلیں کہ آپ ہر ماہ کسی تاریخی شخصیت سے روشناس کرایا کریں۔ پرنس ہاشم غوری، لطیف آباد

● اگر ہمدرد نونہال کا پہلا شمارہ آپ کے ریکارڈ میں محفوظ ہے تو اس کے دوبارہ شائع کرنے میں کیا قباحت ہے؟

نام نامعلوم نارتھ کراچی

قباحت ایک تو یہ ہے کہ آپ نے اپنا پورا پتا لکھا لیکن نام لکھنا یاد نہ رہا۔ دوسری قباحت یہ ہے کہ پہلا شمارہ محفوظ نہیں رہا۔

● اکتوبر کا بھی نونہال بہت اچھا تھا۔ خاص کر جاگو جگاؤ، مرزا کے جوتے، تحفے بہت پسند آئے۔ مسکراتے رہو پہلے سے بہتر تھے۔ شیخ رضوان صدیقی، گلشن اقبال

● میں جب بھی آپ کو خط لکھتا ہوں آپ صرف نام لکھنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ خیر آپ کی مرضی۔ اکتوبر کا رسالہ بہت پسند آیا۔ عبدالطیف حاجی موسیٰ، میٹھادر

میاں لطیف! عبداللطیف دو لام سے صحیح ہوتا ہے، ایک لام سے غلط۔

● نونہال کی مقبولیت اب نہ صرف پاکستان بلکہ باہر کے ممالک میں بھی بڑھتی جارہی ہے۔ حکیم محمد سعید صاحب کا اندازِ تحریر بہت عمدہ ہوتا ہے اور پہلی بات میں جناب مسعود احمد برکاتی یوں لکھتے ہیں جیسے نونہالانِ وطن کے پاس بیٹھے اچھی اچھی باتیں کر رہے ہوں۔ سید شہاب علی شاہ، جہلم

● خاص نمبر پڑھ کر خوشی ہوئی۔ رسالہ بہت اچھا تھا۔

سید کامل افتخار احمد، نواب شاہ

● ہمدرد نونہال میں "ناقابل اشاعت" کا کالم شروع کر ہی دیں تو بہتر ہے کیوں کہ اس طرح ہم سب کو پتا چل جایا کرے گا کہ ہماری تحریر قابلِ اشاعت ہے کہ نہیں۔ کامران بلوچ صنم، اوکاڑہ

کیوں دوستو! آپ بھی رائے دیں۔

● کہانیوں میں "چار دوست" (جناب اسد علی) "مرزا کے جوتے" (جناب وقار محسن) بہت پسند آئیں۔ اس کے علاوہ مسکراتے رہو اور جناب ساجد علی ساجد کا مضمون بہت پسند آیا اس دفعہ معلومات عامہ کافی مشکل ہیں۔ "کارٹون"، "نونہال مصور"، "تحفے"، "خیال کے پھول"، "اخبارِ نونہال" سب پسند آئیں۔ ذرا لفظ "وقار" کا صحیح تلفظ بتادیں۔ عشرت نعمانی، لیاقت آباد

واؤ پر زبر ہے یعنی وَقار۔

● خاص نمبر سرورق سے لے کر آخری صفحہ تک بہت ہی شان دار تھا، لیکن صفحہ نمبر ۱۰۴ پر "عجیب و غریب اتفاقات" میں "۳ کا ہندسہ" دیکھ کر بہت افسوس ہوا، کیوں کہ یہ میں نے لکھ کر بھیجا تھا، مگر آپ نے طاہر جاوید کراچی لکھا تھا۔

محمد عدنان انعام، کراچی

آپ نے بھی بھیجا ہوگا مگر یہ تو پورا مضمون طاہر جاوید ہی کا ہے۔

● میں ہمدرد نونہال کا اُس وقت سے قاری ہوں جب سے میں نے پڑھنا لکھنا سیکھا ہے۔ میں اپنے دوست شاہد محمود کا بے حد مشکور ہوں، جس نے مجھے نونہال جیسے رسالے سے متعارف

کرالیا۔ جو باتیں میں نے اس رسالے میں سیکھیں وہ کسی رسالے میں بھی نہیں ہیں۔ اور نونہال کا معیار سب رسالوں سے اچھا ہے اور آج کل اس مہنگائی کے دور میں اتنا کم قیمت کا اس سے اچھا رسالہ کوئی نہیں ہے۔ ظہیر احمد، اٹک سٹی

● میں اپنا پیارا رسالہ نونہال بڑے شوق سے پڑھتی ہوں اگر نونہال کی قیمت دس رُپے ہوں تو وہ بھی کم ہیں۔

فرحت فضل حسین، حیدرآباد

● لطیفے بہت اچھے تھے۔ سلسلہ وار کہانی "وارث کی تلاش" اچھی جارہی ہے۔ میں کتاب "ننھا سراغ رساں" منگانا چاہتا ہوں کیا کروں؟ امجد حسین نور پور۔ باغاں

چھے رُپے کا منی آرڈر کر دیں۔

● رسالہ پڑھنے کے ساتھ ہم اپنی کلاسوں میں پوزیشن لیتے ہیں۔ ویسے اس رسالے سے ہمیں کافی معلومات ملتی ہیں۔ اس کی تمام کہانیاں شان دار اور لطائف کا جواب نہیں۔

آسیہ صابر، اسلام آباد

● ہمدرد نونہال میرا پسندیدہ رسالہ ہے اور میں اسے بہت شوق سے پڑھتی ہوں۔ اگر پرانا رسالہ نونہال بھی پڑھنے کو مل جائے تو بھی بہت شوق سے پڑھتی ہوں۔ نازنین فاروقی، شکارپور

● ہمدرد نونہال ایک معیاری رسالہ ہے جس کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔ خاص کر جاگو جگاؤ اور خیال کے پھول تعریف کے لائق ہیں۔ پچھلے شمارے میں آپ نے میرا نام مدبر اکبر لکھ دیا ہے، جب کہ میرا نام مرید اکبر ہے۔ مرید اکبر، پکی شاہ مردان

● "ویسٹ انڈیز کی ٹیم جو پاکستان آرہی ہے" میں آخری صفحہ ۱۳۱ پر سطر نمبر ۴ میں لکھا ہے کہ "چار میچوں میں پاکستان کو شکست ہوئی"، جب کہ ایسا ہونا چاہیے کہ "چار میچوں میں پاکستان کو کامیابی ہوئی"۔ لطیفے بھی خاصے چٹ پٹے رہے۔

جہاں عالم عادل، منگورہ

تمھارا خیال بالکل صحیح ہے۔ "۴ میچوں میں پاکستان نے شکست دی" ہونا چاہیے۔

● جاگو جگاؤ، پہلی بات، اے بہادر کسان نظم (عبدالحفیظ ظفر صاحب) نونہال ادیب کی سب کہانیاں اچھی تھیں اور منتخب کہانیاں بھی سب اچھی لگیں۔ ایچ ایم اکرم سیال حیدر، شیخوپورہ

● جاگو جگاؤ کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے البتہ لطیفے خاص نہ تھے۔ سلسلہ وار کہانی وارث اچھی جارہی ہے۔

قاضی زاہد حسین شانو، محمود آباد

● میرے ساتھ کوئی دشمنی تو نہیں جو میرے خطوط شائع نہیں کرتے۔ میرا فیصلہ عنوان کے بارے میں یہ ہے کہ "قارئین کی عدالت" عنوان رکھیں۔ زاہد سلطان فاروقی، بشارت چکوال

یہ عنوان تو مجھے بھی پسند ہے۔

● اکتوبر کا نونہال پڑھا۔ رسالہ کیا تھا ایک انمول ہیرا تھا۔ جناب حکیم محمد سعید کا جاگو جگاؤ جناب مسعود احمد برکاتی کی پہلی بات سے میں نے بہت کچھ حاصل کیا۔ کہانیوں میں مرزا کے جوتے (وقار حسین) سارس بادشاہ (ڈاکٹر شمیم حنفی) ثمینہ اور اس کا بھول (میرزا ادیب) اور سلسلہ وار ناول وارث کی تلاش (مناظر صدیقی) کی دوسری قسط پسند آئی۔

ایم یامین تبسم بھلانی، ٹنڈو باگو

● مجھے کسی ایسے ماہنامے کی ضرورت تھی جو میرے معیار پر پورا اتر سکے۔ جس میں میری تعلیم اور مشاغل کے بارے میں دل چسپ مضمون ہوں۔ ہمدرد نونہال پاکستان میں سب رسالوں سے منفرد اور سستا ہے۔ اس کے تمام سلسلے مثلاً جاگو جگاؤ، طب کی روشنی میں، ہمدرد انسائیکلو پیڈیا، نونہال مصوّر اخبارِ نونہال، تحفے، معلوماتِ عامہ بہت پسند آئے۔ کہانیاں بھی تمام کی تمام معیاری اور دل چسپ تھیں۔ افتخار احمد شہزاد، فیصل آباد

● میرے خیال میں تو "نونہالوں کی محفل" یا "کچھ کہیے کچھ سُنیے" عنوانات میں سے ووٹنگ کروا کر ایک عنوان رکھ لیں۔

قرۃ العین عینی، لاہور کینٹ

● یہ ایک واحد رسالہ ہے جسے میں دو تین سال سے مسلسل پڑھ رہا ہوں۔ اظہر سعید گلشن میروی پیلان

● آپ کبھی کرکٹ، ہاکی، فٹ بال وغیرہ کھیلوں پر تو معلومات اور مضمون شائع کرتے ہیں، مگر اتھلیٹکس خاص طور پر

جناسنگ پر کبھی کوئی معلومات یا مضمون شائع نہیں کیا گیا۔
بہادر شیر، کھلابٹ ٹاؤن شپ

● تمام کہانیاں اور لطیفے بھی اچھے تھے۔ رب نواز ندیم، کوئٹہ

● پہلی بات پڑھ کر پہلی بار یہ احساس ہوا کہ برکاتی انکل بھی پہلی بات کچھ کم نہیں لکھتے۔ محمد انور قریشی، تنکار پور

● اکتوبر کا شمارہ بہت پسند آیا۔ شکور فضل بلوچ، حاجی شاہ علی گوٹھ

● اکتوبر کا نونہال بہت خوب صورت تھا۔ لطیفے بہت مزے دار اور نئے تھے۔ عبدالصمد صابری، چمن

● خاص طور پر سلسلے وار کہانی شروع کر کے آپ نے رسالے میں نئی روح پھونک دی ہے۔ اس ماہ کے نونہال سے دماغ علم کی روشنی سے منور ہوا۔ نادیہ سعید درک، سیالکوٹ

● خاص کر کے مجھے نونہال ادیب والا موضوع، مجاہد کا لہو فرض، سخاوت اور حسد پسند آئے۔ خادم حسین ڈہر، گڑھی حسن۔

● جو نونہال دوسرے نونہال کی نقل شدہ تحریر کو پہچان لے تو اسے چاہیے کہ صرف اپنے خط میں نقل شدہ ہی نہ لکھے بلکہ حوالہ بھی دے کہ یہ کس کتاب سے نقل کی گئی ہے۔ کامران خالد بٹ، حیدرآباد

● اس دفعہ جاگو جگاؤ نے دل پر بہت زیادہ اثر کیا بلاشبہ حکیم محمد سعید کی یہ بہت اچھی تحریر ہے۔ کہانیوں میں جناب مناظر صدیقی کی کہانی باشو اور کریم کا کارنامہ بہت اچھی تھی۔ جناب وقار محسن کی تحریر مرزا کے جوتے نے بہت ہنسایا۔ جناب ساجد علی ساجد کی تحریر ویسٹ انڈیز کرکٹ، میرزا ادیب کی ثمینہ اور اس کا پھول سبق آموز کہانی تھی۔ ارشاد حسین ندیم، پکی شاہ مرداں

● سارس بادشاہ (شمیم حنفی) ثمینہ اور اس کا پھول (میرزا ادیب) اچھے تھے اور مسکراتے رہو بھی پسند آئے۔ محمد ریحان، کراچی

● ہم سب دوستوں کو نونہال بہت پسند ہے۔ خاص طور پر حکیم محمد سعید کا جاگو جگاؤ۔ محمد ابراہیم علوی، پنجاب کالونی

● میں ہمدرد نونہال بڑے شوق سے پڑھتی ہوں، شاید میں ہی نہیں نونہال کا ہر قاری اسے شوق سے پڑھتا ہے۔ ہمدرد نونہال ایک اچھا اور مفید رسالہ ہے نونہال ایک گلستاں ہے جس کا ہر پھول نمایاں ہے۔ نونہال ایک سمندر ہے جس کی لہریں ہر آنے جانے والے کو اخلاق کا درس سناتی ہیں۔ نونہال ایک ایسا گھر ہے جس میں رہنے والے لوگوں کی روحوں کی سچائی نے ماحول کو ایسا بنا رکھا ہے کہ یہاں ہر آنے والا نیک اور پرہیزگار بن جاتا ہے۔ شاید یہی وجہ ہے نونہال سب سے زیادہ پسند کیا جاتا ہے۔
حاجی حفیظ اللہ مٹیاری

● اکتوبر کا شمارہ بھی بہت اچھا تھا لیکن جہانگیر سکندر، شیر شاہ کالونی نے نعت اردو کی پانچویں کتاب سے نقل کی تھی۔ میری تو رائے ہے کہ آپ نقل کرنے والوں کو ایسی عبرت ناک سزا دیجیے کہ آئندہ کبھی نقل کا خیال بھی دل میں نہ آئے۔
محمد اکرم عالم انصاری، حیدرآباد

دوسرے نونہال بھی اپنی رائے بتائیں تاکہ میرے ہاتھ مضبوط ہوں۔

● جس طرح "ہمدرد انسائیکلوپیڈیا" اور "طب کی روشنی میں" جیسے معلوماتی مضامین نونہال میں شامل ہوتے ہیں اسی طرح ایک اور مضمون ہونا چاہیے جس میں نونہال اسلام کے بارے میں سوال کر سکیں۔ ذی شان ظفر، نواب شاہ

● خاص نمبر بے حد پسند آیا، جس میں کہانی زندگی کا مقصد (مجیب ظفر انوار) السلام علیکم (مسعود احمد برکاتی) اور کیسے بھول جاؤں (جناب حکیم محمد سعید) کی کہانیاں بے حد پسند آئیں۔
محمد شریف، حیدرآباد

● خاص نمبر بہت اچھا تھا۔ واقعی اس پر بہت محنت کی گئی تھی۔ سرورق بھی بہت اچھا تھا، خاص طور پر جاگو جگاؤ اور خیال کے پھول نے بہت متاثر کیا۔ ارم ضیا، کورنگی

● "تحفے" میں "ایک انٹرویو" اور "موت کی خواہش" بہت اچھے تھے۔ "جاگو جگاؤ" میں ہر دفعہ ایک نیا سبق ملتا ہے جس پر عمل کر کے انسان واقعی انسان بن سکتا ہے۔ گل جتوئی، حیدرآباد

● جناب "حکیم محمد سعید" کا جاگو جگاؤ حد سے زیادہ پسند آیا اور کہانیوں میں باشو اور کریم کا کارنامہ، ثمینہ اور اس کا پھول چار دوست اور مرزا کے جوتے پسند آئے اور مسکراتے رہو۔ تحفے اور نظم "اے بہادر کسان" پسند آئی۔ محمد علی شیر، حیدرآباد۔

● تمام کہانیاں اچھی لگیں آپ میرزا ادیب کی کہانیاں ہر مہینے شائع کیا کریں۔ تحفے کا معیار اب بہتر ہو گیا ہے نونہال مصور اور صحت مند نونہال کو بند کر کے کوئی اور سلسلہ شروع کریں جو خاص طور پر لڑکیوں کے لیے ہو تو زیادہ اچھا ہے آپ کہیں تو میں لڑکیوں کے لیے کچھ لکھ کر بھیجوں؟ شازیہ ہاشم، کراچی

> بھیجیے، لیکن پتا اس میں بھی نہ لکھنا۔ اچھا!

● اکتوبر کا نونہال بہت پسند آیا۔ حافظ محمد اطہر محمود، بہاولپور

● کہانیوں میں سارس بادشاہ نمبر لے گئی۔ عظیم ادیب اور موجد بہترین کاوش تھی۔ یہ پڑھ کر احساس ہوا عظیم آدمی بھی ہماری ہی طرح ہوتے ہیں لیکن اپنی محنت سے اور لگن سے ہم سب سے مختلف اور عظیم بن جاتے ہیں۔ مجھے آپ سے سخت شکایت ہے۔ آپ کو یاد ہے۔ معلوماتِ عامہ کے بارے میں آج سے تین سال پہلے کیا فرمایا تھا کہ آپ آخری تاریخ ۱۵ مئی کی بجائے ۲۰ مئی کر دیں گے۔ انجم ناز بھٹی، لاہور

> اچھا بھئی معاف کرو، غصہ تھوک دو، اس بار سے بیس تاریخ کر دی ہے۔

● نونہال کا معیار مجھے ہمیشہ بلند نظر آیا ہے۔ اس دفعہ کا جاگو جگاؤ بہت اچھا تھا۔ لطیفے بھی مزاحیہ تھے۔ سارس بادشاہ بڑی دل چسپ کہانی تھی۔ وارث کی تلاش کا دوسرا ٹکڑا بھی پسند آیا۔ محمد اوشیل زاہد، کراچی

● نظم "اے بہادر کسان" اور "بچہ اور مرغی" اچھی تھیں۔ "انسان مختلف ہوتے تھے"، بہت اچھی سائنسی کہانی تھی۔ خیال کے پھول اور تحفے بہت خوب صورت تھے۔ محمد سلمان حلیم، گلشن اقبال

نونہال انتہائی معیاری اور دل چسپ ہے جس کو پڑھے بغیر بالکل چین نہیں آتا۔ عبدالخالق، لانڈھی

● مجھے مرزا کے جوتے، سارس بادشاہ اور چار دوست بہت پسند آئیں محمد وسیم غلام حسین، گجرات

● خاص کر جناب تنویر پھول کی نظم "باغ کی سیر" بہت ہی اچھی لگی۔ میرے ننھے ساتھی اکثر لکھتے ہیں کہ "ہم ماہنامہ نونہال شوق سے پڑھتے ہیں اب اس کی قیمت صرف چار روپے ہے لیکن آٹھ یا دس روپے بھی ہو جائے تب بھی ہم ضرور خرید کر پڑھیں گے۔" تو جناب عرض ہے کہ آپ ان باتوں میں آ کر اس رسالے کی قیمت میں اضافہ ہرگز ہرگز نہ کریں، کیوں کہ اب یہ رسالہ بیک وقت امیروں اور غریبوں دونوں کا پکا دوست ہے، لیکن اگر آپ نے اس کی قیمت میں اضافہ کیا تو پھر یہ رسالہ صرف اور صرف امیر نونہالوں کا ہی ساتھی رہ جائے گا اور غریب نونہالوں سے اس کا ساتھ چھوٹ جائے گا۔ جے آئی ساغر، کراچی

● خاص طور پر کہانیوں میں چار دوست، سارس بادشاہ اور فیض احمد فیض کی کہانی جی ہاں، مسکراتے رہو اور مرزا کے جوتے اور کارٹون بہت ہی خوب صورت اور دل چسپ تھے۔

ندیم خان ولد عبدالرحمان

● اس رسالے کے تقریباً سب کالم اچھے ہیں۔

سرام داس، ہمدرد، شہداد کوٹ

● کہانیاں سب اچھی تھیں، مثلاً تمینہ اور اس کا پھول (میرزا ادیب) سارس بادشاہ (شمیم حنفی) جناب وقار محسن کی کہانی مرزا کے جوتے بہت اچھی لگی۔ اوشاق علی جمالی، سکھر

● کیا آپ نونہال کے صفحات میں اضافہ نہیں کر سکتے۔ قیمت بے شک بڑھا دیں۔ خواجہ عمر فاروق، کراچی

> کیوں بھائیو! کیا کہتے ہو؟

● جاگو جگاؤ، ہاشو اور کریم کا کارنامہ، مرزا کے جوتے اور سارس بادشاہ۔ یہ تحریریں بہت پسند آئیں۔ لطیفے پرانے تھے۔

● "ہمدرد نونہال" ہر مہینے باقاعدگی سے پڑھتا ہوں۔ یہ میرا اور میرے گھر والوں کا پسندیدہ رسالہ ہے۔ محمد آصف، کراچی

● جاگو جگاؤ ایک مشعلِ راہ ہے اس کو پڑھنے سے انسان سیدھے راستے پر چلنے لگتا ہے۔ درخشاں نعیم۔ اورنگی ٹاؤن

● جاگو جگاؤ تو موتیوں کی طرح تھا کہانیاں تمام بہتر تھیں۔

شاہد مصطفیٰ شیخ، شکارپور

● خیال کے پھول بہت سبق آموز تھے لطیفے مزے دار تھے۔ محمد شفیق صابر، عیسیٰ خیل

● جناب ساجد علی ساجد کا مضمون ویسٹ انڈیز کی

کرکٹ کے بارے میں تھا، پڑھ کر معلومات میں اضافہ ہوا۔ سچ تو یہ ہے کہ نونہال کا ہر صفحہ انمول تھا۔

ندیم احمد خان زادہ، سکرنڈ

● حکیم محمد سعید صاحب کا جاگو جگاؤ پڑھا۔ دل ایمان کی روشنی سے منوّر ہو گیا۔ پورا رسالہ ایک پھول کی مانند تھا جو کبھی نہیں مُرجھاتا۔ سرورق بہت خوب صورت تھا۔ اس دفعہ چھپائی کا انداز بھی کچھ مختلف تھا۔ یہ تبدیلیاں بہت خوب صورت تھیں۔

حسیب الرحمن میمن، ٹنڈوجام

● سب سلسلے بہت اچھے ہیں اور لطیفے بھی بہت چٹ پٹے تھے۔

رخسانہ خمار، عبر یاسٹی

● اس کی تمام کہانیاں لطیفے اور تحفے لاجواب تھے۔

خلیق الرحمن بیول، راولپنڈی

● میں نونہال کا گزشتہ "5" سال سے قاری ہوں۔ میرے اندازے کے مطابق ان پانچ سالوں میں اس کی مقبولیت کا اندازہ لگانا ممکن نہیں۔ ایک اندازے کے مطابق نونہال پاکستان کا سب سے زیادہ بکنے والا رسالہ ہے۔ اکتوبر کا شمارہ بہت پسند آیا۔ سرورق نے رسالے کو چار چاند لگا دیے۔ کہانیوں میں تمینہ اور اس کا پھول پسند آئی۔ سلسلے وار کہانی "وارث کی تلاش" کی دوسری قسط پڑھی بہت پسند آئی۔ آپ صحت مند نونہال کا سلسلہ ختم کر دیں۔ دوسرے نونہالوں سے بھی مشورہ کرلیں۔ لفظ "مستحسن" کے معنی بتادیں۔

کاشف شہزاد۔ سرائے عالمگیر

اچھا تو دوسرے نونہال مشورہ عطا کریں

● نونہال ایک معیاری رسالہ ہے اور اسے معیاری ہی رہنے دیا جائے، مجھے کچھ خط پڑھ کر افسوس بھی ہوا۔ جن میں اس رسالے کے لیے کچھ غلط قسم کے مشورے دیے گئے تھے جن سے اس رسالے کے معیار میں فرق آسکتا ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ انھیں مشورے نہیں دینے چاہییں۔ انھیں ضرور مشورے دینے چاہییں مگر اچھے اور سوچ سمجھ کر دینے چاہییں۔

سیّد ذی شان حیدر رضوی، خیرپور میرس

● میری نظر میں ہمدرد نونہال بچوں کا واحد رسالہ ہے جس میں سائنسی، طبی معلومات بہت دل چسپ انداز میں بتائی جاتی ہیں۔

سیّد ممتاز حیدر عابدی، ملیر

اِن نونہالوں کے نام جنھوں نے ہمیں بہت اچھے خط لکھے، لیکن جگہ کی کمی کے باعث ان کے صرف نام دیے جا رہے ہیں۔

کراچی محمد عرفان پاشا، ذیشان پاشا، عائشہ یٰسین، نرگس دلدار، مستجاب حیدر، شبیر دلدار، سلمان مرزا، سیّد ممتاز حیدری عابدی، ایم حمیرا ارم، ایم عتیق الرحمن، ایم سہیل عباس، ایم ظہیر عباس، غلام مصطفےٰ تیتو، نوید اختر، رئیس احمد قدیر، فیصل غلام محمد، ہاشم علی، نوید الحق، محمد معین الدین، احمد فاروقی، فاروق احمد انصاری، محمد ابراہیم علوی، محمد افضال سرور، لبنیٰ زیدی، علی ذوالقرنین، محمد مبشر حسن، محمد سہیل عبدالستار، شوکت حسین، ظہور الٰہی مہرین مسعود، محمد سعید قریشی، منور اشرف فاروقی۔

حیدرآباد جمیل احمد خاں، لاہور عامر شمیم خالد، حافظ ضیاء الحق قمر، اسلام آباد صائمہ ارم سکھر شیریں منگی، ریحانہ منگی، عبدالعین صابر، خیرپور میرس سلیم رضا مغل، سریش کمار پی ماکھی جانی، لاڑکانہ ریحانہ سجاد انصاری، مقام نامعلوم ایس۔ جی۔ مرتضیٰ محمد سلیم جان مروت، صالح گوٹھ وندر محمد حسن انگاریہ بلوچ، مانسہرہ سائرہ ارشاد، خانیوال محمد طارق شہرا، بہاول پور امجد محسن، ٹنڈو محمد جان خرم شہزاد قائم خانی واہ کینٹ ناہید یحیٰ گھوٹکی وسیم احمد، میانوالی مسعود احمد خاں، جمرود عالمگیر آفریدی، جیکب آباد وجے کمار کشن چند وادوانی، شجاع آباد محمد عرفان قادر، ماجھی پور جورک خان، شہباز خان، جام پور سجاد احمد بلوچ چکوال زاہد سلطان فاروقی، ٹنڈو جام حبیب الرحمن، حسین بخش، بھمبر مستنصر بشیر، ناظم چک محمد شفیق، شہداد پور امداد حسین بلوچ کنڈ نو لگی محمد معروف بزاردی

معلوماتِ عامّہ ۲۴۶ کے صحیح جوابات

ان جوابات کو غور سے پڑھیے۔ جو نونہال جوابات نہیں بھیجتے یا جن کے جوابات صحیح نہیں نکلتے ان کو بھی چاہیے کہ جوابات کو غور سے پڑھا کریں۔ معلومات بڑے کام کی چیز ہے۔ معلومات رکھنے والا انسان ہمیشہ فائدے میں رہتا ہے۔ کسی چیز کو مشکل نہ سمجھیے۔ کوشش سے ہر بات معلوم ہو سکتی ہے۔

۱۔ جس وقت نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر آٹھ سال کی تھی اس وقت آپ کے دادا حضرت عبدالمطلب کا انتقال ہوا تھا۔

۲۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے ۱۰ سال کی عمر میں اسلام قبول فرمایا تھا۔

۳۔ نماز میں قیام نماز میں کھڑے رہنے کی حالت کو کہتے ہیں۔

۴۔ ایک کیمیاداں کی عظمت اس بات میں نہیں ہے کہ اس نے کیا کچھ پڑھا ہے، بلکہ اس بات میں ہے کہ اس نے کیا کچھ تجربے کے ذریعے سے حاصل کیا ہے۔ یہ الفاظ مشہور مسلمان کیمیاداں جابر بن حیّان کے ہیں۔

۵۔ تخت نشینی کے وقت سلطان محمود غزنوی کو غزنی کا چھوٹا سا علاقہ ورثے میں ملا تھا۔

۶۔ یومِ راستِ اقدام ۱۶ اگست ۱۹۴۶ء کو مسلم لیگ کی طرف سے منایا گیا تھا۔

۷۔ پروفیسر انجم اعظمی کی جس کتاب کا نام "ادب اور حقیقت" ہے وہ مجموعۂ کلام نہیں ہے، بلکہ تنقیدی مضامین کا مجموعہ ہے۔

۸۔ جوڈو کراٹے کی طرح کنگ فو کا بھی مارشل آرٹ میں شمار ہے۔ کنگ فو چین میں شروع ہوا تھا۔

۹۔ رئیس فروغ مرحوم کی کتاب "ہم سورج، چاند، ستارے" سائنس کی کتاب نہیں ہے، بلکہ یہ بچوں کی نظموں کا مجموعہ ہے۔

۱۰۔ ہاکی کے کھیل کو دوبارہ ۱۹۲۸ء میں اولمپک مقابلوں میں شریک کیا گیا تھا۔

۱۱۔ شہنشاہ ہمایوں کے والد کا پورا نام ظہیرالدین بابر تھا۔

۱۲۔ ایران کے موجودہ دارالحکومت کا نام تہران ہے۔

بارہ صحیح جوابات بھیجنے والے کا نام

ظفراللہ شیخ، خیرپور میرس

بارہ صحیح جوابات بھیجنے والے کی تصویر

اشفاق احمد، لاڑکانہ

گیارہ صحیح جوابات بھیجنے والوں کے نام

کراچی

محمد سہیل ایوب
عابدہ صبا نور
محمد اسد حسن
افشاں تبسّم
لبنیٰ ولیم
نعیم الحسن
ساجدہ شمع نور
کہکشاں ترنّم
مہوش جاوید
شیر زمان
نیاز خان
آصف خان
ازبیر محمود عالم
اشہر سعید عالم

حیدرآباد

سعیدہ ملک
محمد اسلم ملک

خیرپور میرس

اعظم علی سومرو
فیاض احمد سومرو

گیارہ صحیح جوابات بھیجنے والوں کی تصاویر

سید وزیر حسین شاہ نقوی — محمد ندیم اسلام، کراچی

دس صحیح جوابات بھیجنے والوں کے نام

کراچی
محمد ظفر الیوب
بشرہ انوار
ایم حمیرا ارم
محمد ذیشان ایوب
محمد اشرف ایوب
عاطف ظہیر
محمد اظہر ایوب
محمد اشعر حسن

ایم سہیل عباس
نوید ظفر انوار
ایم ظہیر عباس
ایم عتیق الرحمان
غلام مصطفیٰ قیوم
مجیب ظفر انوار
رئیس احمد قدیر
انصار عالم قدیر

سانگھڑ
شہزادہ عبدالستار مغل
آزاد طاہر اقبال یوسف
زئی
ندیم اشتیاق عمر
عاجز عبدالرحمن رند
محمد امین سیف الملوک

خیرپور میرس
سید ذیشان حیدر

قدیر محمد صدیقی

مختلف شہروں سے
خادم حسین ڈہر، تحصیل ٹھل
ارشاد حسین ندیم، میانوالی
محمد طاہر آرائیں، سنجھورو
عامر رشید خان، کوٹری
عدنان احمد، کنری پاک
عبدالرشید سرکی، گڑھی حسن

نو صحیح جوابات بھیجنے والوں کے نام

کراچی
ارم شہزاد
اظہر شہزاد

حسیب جان محمد
محسن زیدی
کامران سعید

عبداللہ ریاض
عابدہ خانم
محمد مبشر حسن

عارف وحید
محمد الیاس مبشر حسن صدیقی
سید اسفند یار احمد

خرّم اقبال

شیخوپورہ

نیّر توحید

کاشف عدنان

عمران حنان

یٰسین احمد خان

دیپال پور

ہارون الرشید قریشی

محمد سمیع اللہ

سانگھڑ

غلام رسول پارس

طلعت مبین لغاری

لاہور

محمد نوید جمیل ملک

حافظ ضیاء الحق قمر

مختلف شہروں سے

محمد عرفان قادر، شجاع آباد

عصمت حریم، ٹنڈو الہ یار

عصمت علی خان گجری، چک ۲ پٹھان گجری

فیصل احمد عباسی، جھنگ صدر

عارف علی خان ناغڑ، حیدر آباد

مریم زئی، فیصل آباد

سید شہاب علی شاہ، جہلم

وسیم انور عباسی، الجبر دہران

توقیر محمد صدیقی، خیرپور میرس

عالیہ نزہت، سکھر

غذائیں دوائیں

قیمت: ۵/= روپے

ہم میں سے اکثر یہ نہیں جانتے کہ پیاز ایک اعلا درجے کی جراثیم کُش دَوا ہے۔ لہسن سے بلڈ پریشر (خون کا دباؤ) کم ہوتا ہے۔ مُولی یَرقان کا ایک عِلاج ہے۔ شہتوت گلے کی تکلیف بھی دُور کرتے ہیں۔ نیم بہترین اینٹی سیپٹک اور مصفیِ خون ہے۔ آملہ وٹامن سی سے بھرپُور ہے۔ اڑوسا پھیپڑوں کا ٹانک ہے وغیرہ۔

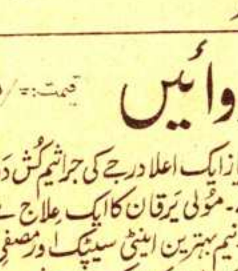

ہم جتنی سبزیاں، دالیں اور پھل استعمال کرتے ہیں اور اپنے اِرد گرد جو پودے اور درخت دیکھتے ہیں، قدرت نے اُن میں ایسی دَوائی اور شفائی اثرات رکھے ہیں کہ اگر ہم اُن کا بر وقت مناسب استعمال کریں تو بے شمار پریشانیوں اور اخراجات سے بچ سکتے ہیں۔

اس کتاب میں تقریباً پچاس سبزیوں، پھلوں اور عام جڑی بوٹیوں کے خواص، فائدے اور استعمال دیے گئے ہیں۔

سب کے لیے ایک مفید کتاب۔

ہمدرد فاؤنڈیشن پریس، ہمدرد سنٹر، ناظم آباد، کراچی ۱۸

اس شمارے کے مشکل الفاظ

مُتحرک : (ع) مُ تَ حَ رْ رِک : حرکت کرنے والا، چلتا ہوا، رواں، جاری

نَتائج : (ع) نَ تا اِ جْ : نتیجے کی جمع، انجام

افادیت : (ع) اِ فا دِ یَتْ : فائدہ، نفع

متانت : (ع) مَ تا نَتْ : سنجیدگی، تہذیب

گریز : (ف) گُ ریزْ : معانی، فرار، علاحدگی، پرہیز

خلش : (ف) خَلِشْ : کھٹک، چبھن، رنجش، بُغض

عروج : (ع) عُ رُوجْ : بلندی، چڑھنا

قصد : (ع) قَصْ دْ : ارادہ، نیت

سِناں : (ف) سِ ناں : تیر کی نوک، نیزہ۔

مُدافعت : (ع) مُ دا فَعَتْ : دفع کرنا، روک، تردید

بے اعتنائی : (الف) بے اِعْ تِنائی : بے پروائی، غفلت

انواع : (ع) اَنْ وَاعْ : نوع کی جمع، قسم قسم کے، طرح طرح کے

مشاہدہ : (ع) مُشاہَدَہْ : دیکھنا، دید، معائنہ

رِدا : (ع) رِدَا : چادر

چاہت : (ھ) چاہَتْ : محبت، پیار، اُلفت

قرب وجوار : (ع) قُرْب وجُوارْ : گرد و نواح، آس پاس

دست بُرد : (ف) دَسْ تْ بُرْدْ : ظلم، بے جا قبضہ

زوال : (ع) زَوَالْ : کمی، گھٹاؤ، اُتار، تنزّل

ذوالجلال : (ع) ذُلْ جَلَالْ : عزت والا، دبدبے والا، جلال والا۔

معراج : (ع) مِعْ رَاجْ : انتہائی عروج، انتہائی ترقی۔

معترف : (ع) مُعْ تَرِفْ : ماننے والا، اعتراف کرنے والا

نوشِ جاں کرنا : (ف) نوشے جاں : رغبت سے کھانا پینا۔

فوقیت : (ع) فَوْقِی یَتْ : برتری، بڑائی۔

شاکی : (ع) شَاکِی : شکایت کرنے والا۔

تلاطم : (ع) تَلَا طُمْ : دریا کا موجیں مارنا، لہر، موج، جوش، ولولہ۔

مشکیزہ : (ف) مَشْ کِی زَہْ : پانی بھرنے کی کھال، چھوٹی مشک۔

مغالطہ : (ع) مُغَالَطَہْ : غلط فہمی میں مبتلا کرنا، دھوکا

اثبات : (ع) اِثْ بَاتْ : ثبوت، اقرار، ثبت کی جمع

جواز : (ع) جَوَازْ : درست ہونا، جائز ہونا

مقروض : (ع) مَقْ رُوضْ : جس پر کسی کا قرض ہو۔

محصور : (ع) مَحْ صُورْ : گھرا ہوا، قید۔

دید : (ف) دِیدْ : معائنہ، دیکھنا، دیدار، آنکھ

پاسبانی : (ف) پَاسْ بَانی : چوکی داری، پہرہ داری

خصائل : (ع) خَصَائِلْ : خصلت کی جمع، عادتیں

اوصاف : (ع) اَوْصَافْ : وصف کی جمع، جوہر، ہنر۔

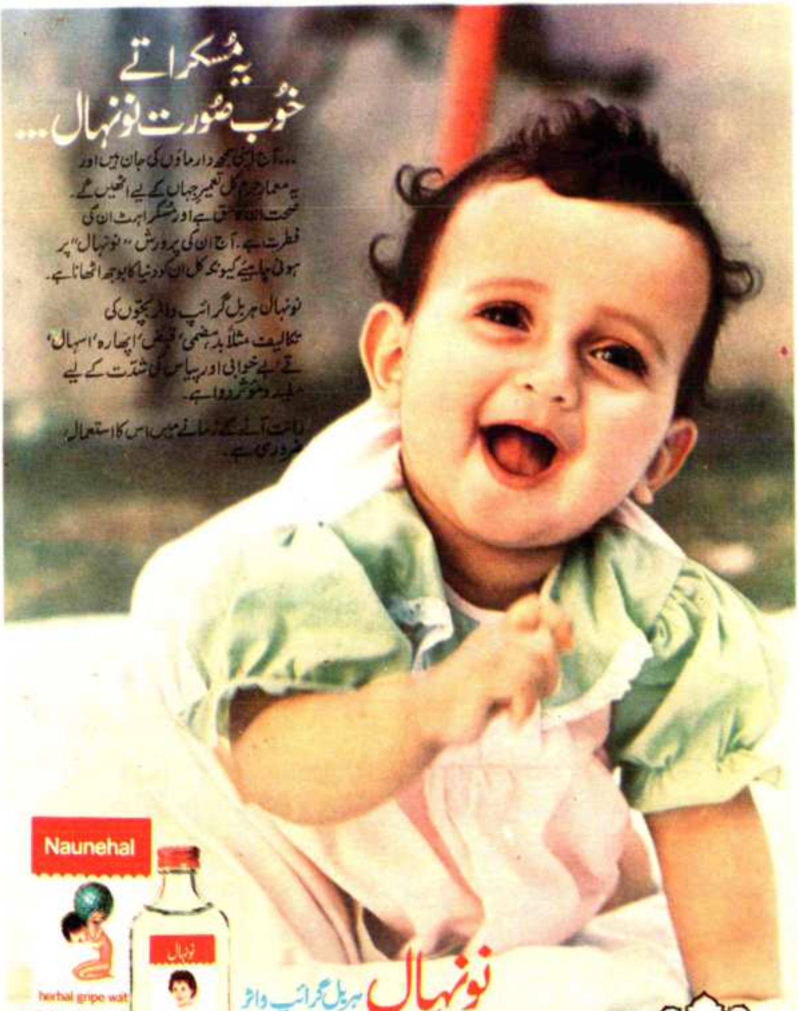
یہ مُسکراتے
خُوب صُورت نونہال...
...آج اپنی سمجھ دار ماؤں کی جان ہیں اور
یہ معمارِ حرم کل تعمیرِ جہاں کے لیے اٹھیں گے۔
صحت ان کا حق ہے اور مسکراہٹ ان کی
فطرت ہے۔ آج ان کی پرورش "نونہال" پر
ہونی چاہیے کیونکہ کل ان کو دنیا کا بوجھ اٹھانا ہے۔
نونہال ہربل گرائپ واٹر بچوں کی
تکالیف مثلاً بدہضمی، قبض، اپھارہ، اسہال،
قے، بے خوابی اور پیاس کی شدت کے لیے
مفید و مؤثر دوا ہے۔
دانت آنے کے زمانے میں اس کا استعمال
ضروری ہے۔
Naunehal
herbal gripe wat
نونہال
نونہال ہربل گرائپ واٹر
بچوں کو مطمئن، مسرور اور صحت مند رکھتا ہے
ہمدرد
آداب اخلاق

HMD-NGW-3/86

دسمبر ۱۹۸۶ء
ہمدرد نونہال
رجسٹرڈ ایم نمبر ۶۹

نزلہ، زکام اور کھانسی
سے محفوظ رہنے کی آسان تدبیر

سُعالین شیشی کے علاوہ نئی اسٹرپ پیکنگ
میں اب پہلے سے زیادہ محفوظ۔

مناسب احتیاط برتئے۔ بروقت سُعالین لیجیے

ہمدرد
ہم خدمتِ خلق کرتے ہیں